بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

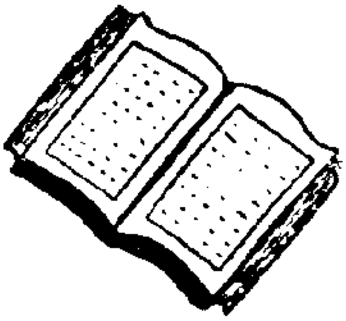

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

فون ۶۹۲

الفرقان

خصوصی

"مذاہبِ عالم پر نظر"

اپریل ۱۹۷۳ء

سالانہ اشتراک
پاکستان — آٹھ روپے
بیرونی ممالک بحری ڈاک — ۱ پونڈ
بیرونی ممالک ہوائی ڈاک — ۲ پونڈ
فی پرچہ پاکستان — اسی پیسے

مدیر مسئول
ابو العطاء جالندھری

محترم جناب الحاج شیخ بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ لاہور رحلت فرما گئے

جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز رکن سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور یکم اپریل کو لاہور میں وفات پا گئے ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ محترم شیخ صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے ۔ دین کے غمخوار، ایثار پیشہ، دوستوں کے وفادار اور مہمان نواز تھے احمدیت کی محبت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشق سے سرشار تھے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین

(صفحہ ۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیں)

جلد ۲۳ | الفرقان | ربیع الاول ۱۳۹۳ ہجری قمری
شمارہ ۴ | اپریل ۱۹۷۳ء | شہادت ۱۳۵۲ ہجری شمسی

تبلیغی و تعلیمی مجلہ

الفرقان

اپریل ۱۹۷۳ء
ٹیلیفون نمبر ۶۹۲

مدیر مسئول
ابوالعطاء جالندھری

اعلان

معاونین خاص کے لئے پانچ سال کا چندہ چالیس روپے یکمشت ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح انہیں پانچ سال تک رسالہ بھی ملتا رہتا ہے اور ان کے لئے دعا کی بھی تحریک ہوتی رہتی ہے۔ آپ کب معاونین میں شامل ہوں گے؟

بدل اشتراک

پاکستان	- - -	آٹھ روپے
بیرونی ممالک	بحری ڈاک	ایک پاؤنڈ
" "	ہوائی ڈاک	دو پاؤنڈ

فی رسالہ :- اسی پیسے —— (مینیجر الفرقان ربوہ)

الفہرست

• کفر و نفاق اور ارتداد کی سزا (قرآن مجید کی روشنی میں) ادارتی — ص۲
• ایک نادرِ روزگار شخصیت
(محترم صدر پاکستان کا حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو خراجِ تحسین) — ص۷
• مسلمان کی تعریف (ماخوذ از ہفت روزہ صدق جدید) — ص۹
• تاریخ احمدیت کا ایک اہم واقعہ (نظم)
جناب چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے — ص۱۵
• کیا مصر سے خروج کے بعد بنی اسرائیل مصر پر قابض ہوئے تھے؟
جناب شیخ عبدالقادر صاحب لاہور — ص۱۸
• سیدنا المصلح الموعودؓ کی یادیں (نظم)
جناب چوہدری شبیر احمد صاحب واقفِ زندگی — ص۲۴
• کیا حضرت مسیحؑ کشمیر میں مدفون ہیں (السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا کا مقالہ) — ص۲۵
• فی حُبِّ اللّٰہ (عربی نظم) جناب پروفیسر محمد عثمان صاحب مرحوم — ص۳۱
• چند ایمان افروز تبلیغی واقعات۔ جناب خان محمد عیسیٰ جان صاحب کوئٹہ — ص۳۲
• مفتی محمود صاحب کیا فرماتے ہیں (نوائے وقت سے اقتباس) — ص۴۰
• جناب شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم کو خراجِ عقیدت — ص۴۱
• علماء کی نظر میں مسلمان کی تعریف — ص۴۲
• حَیَاۃٌ فِی الْخَفَاءِ۔ جناب مولوی اسداللہ صاحب الکاشمیری — ص۴۳
• اہل ایمان کا پروگرام اور اس کے حصول کے ذرائع
جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب — ص۴۵

اداریہ

کفر و نفاق اور ارتداد کی سزا

قرآن مجید کی روشنی میں

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کامل کتاب ہے۔ اسلام کے جملہ عقائد اور اصول کا واضح بیان قرآن پاک میں موجود ہے۔ جس عقیدہ کی بنیاد قرآن مجید کی آیات پر نہ ہو وہ یقیناً اسلامی عقیدہ نہیں۔

ایمان کے مقابل پر قرآن مجید نے تین حالتوں کا ذکر کیا ہے (۱) کفر (۲) نفاق (۳) ارتداد۔ یہ تینوں صورتیں ایمان کی ضد ہیں اور باہم مربوط ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اسی طرح اس نے کفر، نفاق اور ارتداد اختیار کرنے پر سزا و عقاب کا وعید فرمایا ہے۔

قرآن مجید کے دو اصول

کفر و نفاق اور ارتداد کے متعلق قرآن کریم کی مقرر کردہ سزا کو سمجھنے سے پہلے قرآن مجید کے ذکر فرمودہ دو اصول ذہن نشین کرنے ضروری ہیں:-

اوّل۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ دین و مذہب کا تعلق اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہے۔ وہی دلوں کا حال جانتا ہے۔ انسان کا عقیدہ اس کے دل سے وابستہ ہے اور دل کے خیالات کا علم یا دل پر تصرف کرنا کسی دوسرے انسان کے اختیار میں نہیں نیز دین کے معاملہ میں جزا و سزا دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے کوئی انسان جزا و سزا پر قادر نہیں اسلئے قرآن مجید نے دین کے انتخاب کرنے کے معاملہ میں ہر انسان کو اختیار دیا ہے۔ اسی بنا پر انسان اس انتخاب پر جوابدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا (الکہف ع۴) اے رسول! تو اعلان کردے کہ یہ قرآن اور یہ دین اسلام تمہارے رب کی طرف سے حق ہے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر بن جائے۔ ہاں ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی۔

قرآن مجید نے ایمان لانے اور کفر اختیار کرنے میں انسان کو آزاد قرار دیکر ایمان پر جزا اور کفر پر سزا کا اعلان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی حقانیت کے واضح دلائل بیان کر دینے کی بنا پر فرماتا ہے:-

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرۃ ع ۳۴)

کہ دین کے بارے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے حق و صداقت بمقابل گمراہی و ضلالت بالکل واضح ہو چکی ہے۔

پس دین کے بارے میں آزادی و اختیار کا اصول قرآن مجید کا امتیازی اصول ہے۔

۵ دوم۔ قرآن مجید نے یہ اختیار کسی انسان کو نہیں دیا کہ وہ دوسروں کو کافر، منافق یا مرتد قرار دے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ جسے چاہے اس کے عقیدہ کے مطابق خود یا اپنے مامور کے ذریعہ سے کافر و مرتد ٹھہرائے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے **کافر ٹھہرانے** یا **مرتد قرار دینے** کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ بلکہ یَکْفُرُ اور یَرْتَدَّ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے معنے ہیں کہ جو شخص خود کافر ہو جاتا ہے یا خود ارتداد کی راہ اختیار کرے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جس کو لوگ کافر یا مرتد قرار دے دیں۔ پس قرآن کریم کے اسلوب خاص سے یہ اصول روز روشن کی طرح واضح ہے کہ انسانوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کو کافر یا مرتد ٹھہراتے پھریں۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔ جو اپنے آپ کو کافر یا مرتد کہتا ہے اسے کافر یا مرتد قرار دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نام رکھنے میں بھی زبردستی روا نہیں رکھی ہے۔

کُفر، نفاق اور ارتداد کا مفہوم

کفر۔ حق و صداقت کے کھلے انکار کا نام ہے۔ نہ ماننے کو کفر کہتے ہیں۔ حق کو چھپانا بھی کفر ہے۔ **نفاق**۔ دو رنگی اور دو راستوں کو اختیار کرنے کا نام ہے۔ ظاہر میں ماننے کا اقرار کرنا اور دل میں انکار ہونا منافقت ہے۔ مومنوں کے سامنے مومن بننے کا دعویٰ اور کافروں کی مجلس میں ان کی معیت کا اعلان کرنے والا منافق ہوتا ہے۔ **ارتداد** لغوی طور پر پھر جانے اور منحرف ہونے کا نام ہے۔ گویا کفر سے اسلام میں آنے کے بعد پھر کفر کو اختیار کر لینا ارتداد ہے۔ غور کیا جائے تو نفاق اور ارتداد درحقیقت بنیادی طور پر کفر ہی کی شکلیں ہیں۔

کُفر اور نفاق کی سزا

قرآن مجید نے نفاق کی شدید مذمت کی ہے اور اسے نہایت گھناؤنا عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ع ۲۱) کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ دوسری آیت میں فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَہَنَّمَ جَمِیْعًا (النساء ع ۲۰)

کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک ساتھ اکٹھا کرنے والا ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ کافر اور منافق کی سزا جہنم ہے البتہ منافق جہنم کے نچلے ترین حصہ میں رکھے جائیں گے گویا کفر اور نفاق کی اصل سزا جہنم ہے۔ دنیا میں محض کفر یا محض نفاق کی وجہ سے انہیں کوئی جسمانی سزا دینا

قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں۔ ہاں جو کافر یا جو منافق مومنوں سے برسرِ پیکار ہوں اُن سے جنگ کی جائیگی۔ اور ان کے جنگ کرنے کے جرم کی سزا ضرور دی جائے گی۔ اس بارے میں قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں کہ کفار میں سے انہی لوگوں سے جنگ کی جائے جو مسلمانوں سے جنگ کرتے اور جنگ کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ مثلاً فرمایا وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (بقرہ ع ۲۴) کہ اے مسلمانو! تم راہِ خدا میں صرف انہی لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے لڑتے ہیں۔ نہ لڑنے والوں سے جنگ کرکے زیادتی کے مرتکب مت ہو۔ پس جب قرآن مجید سے واضح ہو گیا کہ صرف عملاً جنگ کرنے والے کافر اور منافقوں سے جنگ کرنے اور انہیں جسمانی سزا دینے کا حکم ہے تو ثابت ہو گیا کہ محض کفر اور محض نفاق کی اس دنیا میں کوئی جسمانی سزا نہیں ہاں کفر اور نفاق کی وجہ سے ان کے لئے جہنم کی سزا مقرر ہے۔

ارتداد کی سزا | ارتداد کے معنے اسلام کو چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کرنا ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل تین آیات میں ارتداد اختیار کرنے والوں کا صریح ذکر ہے۔ فرمایا:-

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ وَاَمْلٰی لَھُمْ۝ (سورہ محمدؐ ع ۳)

ترجمہ۔ یقیناً وہ لوگ جو حق و ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے، شیطان نے انہیں بہکایا ہے اور انہیں غلط امیدیں دلائی ہیں۔

(۲) وَمَنْ یَّرْتَدِدْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۝ (بقرہ ع ۲۷)

ترجمہ۔ تم میں سے جو لوگ اپنے دین (اسلام) سے مرتد ہو جائیں گے اور کافر ہونے کی صورت میں مریں گے ان کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے اور وہ لوگ جہنمی ہوں گے جس میں لمبے عرصہ تک رہنے والے ہوں گے۔

(۳) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (المائدہ ع ۸)

ترجمہ۔ اے ایماندارو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے مرتد ہو جائے (تم اس کی پرواہ نہ کرو) اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تمہارے پاس ایسے نئے مومن لائے گا جن سے وہ پیار کرے گا اور وہ اس سے

محبت کریں گے وہ لوگ مومنوں کے سامنے متواضع اور فروتن ہوں گے لیکن کافروں پر گراں اور غالب ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اللہ بڑی وسعتوں کا مالک اور خوب جاننے والا ہے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارتداد اختیار کرنے والے گمراہ اور شقی ہوتے ہیں وہ اگر کفر کی حالت میں ہی مر جائیں گے تو ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ان مرتدوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں کو مخلص اور سچے ایمانداروں کی بڑی جماعت عطا فرمائے گا جو جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے ہوں گے۔

ان آیات سے یہ امر ثابت ہے کہ ارتداد اختیار کرنا بڑا ہی برا کام ہے اور اگر وہ پھر اسلام کی طرف رجوع نہ کرے اور کفر کی حالت میں ہی اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ فَيَمُتْ خاص طور پر ان علماء کے لئے قابل غور ہے جو اپنی طرف سے مرتد کے لئے قتل کی سزا مقرر کرتے ہیں۔

نیز قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان لوگوں کا دوسرے الفاظ میں ذکر ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیتے ہیں ایک جگہ فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ
يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝ (نساء ع)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت عطا نہیں کرے گا اور نہ ہی صحیح راستہ کی رہنمائی فرمائے گا۔

ایک دوسرے مقام پر زیادہ تفصیل سے فرمایا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَ
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ
أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الضَّالُّونَ ۝ (آل عمران ع ۹)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کس طرح کامیاب کرے جو ایمان لانے اور یہ شہادت دینے کے بعد کہ رسول برحق ہے کافر ہو گئے حالانکہ ان کے پاس کھلے دلائل آ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو کامیاب نہیں کیا کرتا۔ ان مرتدین کی یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو گی جس میں رہتے چلے جائیں گے۔ ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہو گی اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے گی۔ ہاں جو ارتداد کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں بڑھتے گئے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ کرے گا وہ لوگ کھلے گمراہ ہیں۔"

قرآن مجید کی دیگر متعدد آیات میں بھی یہ مضمون مذکور ہے کہ ارتداد گمراہی ہے اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت کی ناکامی ہے اور مرتد کی سزا جہنم ہے۔ دنیا میں کسی جسمانی سزا کا محض ارتداد کی بنا پر قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں۔ ہاں جس طرح عام کافر اور منافق جنگ کریں تو قتل قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح اگر مرتدین بھی جنگ کریں اور دشمنوں کی صفوں میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑیں تو ان کو بھی جنگ کے جرم کی سزا میں قتل کیا جائے گا۔

خلاصہ مضمون | قرآن مجید نے دین کے اختیار کرنے میں مکمل آزادی دی ہے۔ وہ جبر و اکراہ کا قائل نہیں۔ وہ اشتراکیت کی طرح مادی نظام نہیں ایک روحانی نظام ہے جس میں اطمینان قلب کے ساتھ داخل ہونا ضروری اور اطمینان کے ساتھ اس میں رہنا لازمی ہے۔ نہ جبر سے کسی کو اسلام میں داخل کیا جائے گا نہ جبر و اکراہ سے اسلام میں رکھا جائے گا۔ اسلام آزادی ضمیر کا مذہب ہے۔ یہاں ایمان پر ثواب اور کفر پر سزا و عقاب مقرر ہے۔

اسلام کے آئین میں سب سے پہلے آزادی مذہب اور آزادی ضمیر کا اعلان کیا گیا ہے۔ فاضل مدیر نوائے وقت نے "بنیادی حقوق اور شہری آزادیاں" کی تشریح میں لکھا ہے:-

"تحریر و تقریر کی آزادی ——— اپنی مرضی کا پیشہ یا کام اختیار کرنے کی آزادی
ملک کے ہر حصہ میں بلا روک ٹوک گھومنے پھرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی
تعلیم و تدریس اور تجارت و کاروبار کی آزادی۔ کسی اقتصادی کاروبار کو نقصان نہ پہنچنے
کی آزادی۔ اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے کی آزادی وغیرہ وغیرہ کے تحفظ کی ضمانت تمام
مہذب اور جمہوری معاشروں کا شعار ہے۔" (نوائے وقت لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۷۳ء)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ایک نادرِ روزگار شخصیت

جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو محترم جناب صدر پاکستان کا خراجِ عقیدت

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب (اَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَہٗ) پاکستان اور جماعتِ احمدیہ کے ایک بلند پایہ اہلِ علم بزرگ ہیں عظیم خدماتِ دینیہ کی توفیق کے ساتھ ساتھ آپ تواضع اور فروتنی کا بھی مجسمہ ہیں مفوضہ کام سے انتہائی لگن اور اس کے لئے پوری محنت آپ کا شعار رہے۔

دنیوی طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں آپ نے ملک و ملت کی بے پایاں خدمات سرانجام دیں۔ ذہانت و فطانت، خلوص اور قانونی مہارت کی وجہ سے آپ نے پاکستان کی بھی بے مثال خدمت کی۔ خود حضرت قائدِ اعظم مرحوم نے آپ کو پہلا وزیرِ خارجہ مقرر فرمایا اور زندگی بھر آپ کے خلوص اور قربانی کو سراہتے رہے۔

پاکستان کے باہر بھی حضرت چودھری صاحب موصوف کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہے جس کی مثال موجود نہیں۔ اقوامِ متحدہ میں آپ اپنے ملک کی نمائندگی سے ترقی کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ کے صدر مقرر ہوئے۔ پھر عالمی عدالتِ انصاف ہیگ کے ممبر بنے۔ آخر اس عظیم ادارہ کے سالہا سال تک صدر مقرر ہوئے۔ ان عظیم ترقیات کے باوجود حضرت چودھری صاحب ہر موقعہ پر عاجزانہ انداز میں آستانۂ الٰہی پر جھکے رہے اور حاسدین کے طعن و تشنیع کے باوجود **پاکستان کے ایک مخلص ترین فرزند** کے طور پر آپ نے بہترین خدمات انجام دیں۔

گزشتہ دنوں محترم چودھری صاحب **عالمی عدالتِ انصاف** کی صدارت اور ججی سے پورے اعزاز کے ساتھ فارغ ہوئے۔ اس موقعہ پر محترم جناب ذوالفقار علی صاحب بھٹو صدر پاکستان نے اس عظیم کامیابی پر آپ کو **مبارکباد** کا جو پیغام بھجوایا وہ پاکستان ٹائمز لاہور اور دیگر اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"آپ نے سالہا سال تک اہلِ پاکستان اور بین الاقوامی برادری کی جو **بے لوث خدمات** سرانجام دی ہیں ان پر گہری **قدردانی**

کے جذبات آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اُس سیاسی تحریک کے ایک سربرآوردہ رُکن کی حیثیت سے جو برصغیر میں مسلمانوں کو ایک وطن دلانے پر منتج ہوئی اور اس سے بھی قبل ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ نے قیام پاکستان میں بہت نمایاں کردار ادا کیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ اس نوزائیدہ مملکت کے پہلے وزیر خارجہ مقرر ہوئے اور سات سال تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ان ابتدائی سالوں میں آپ نے پاکستان کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے میں بہت ہاتھ بٹایا حتیٰ کہ اس نئی مملکت کو دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور بین الاقوامی اجتماعات میں اس کی آواز پُروزن اور وقیع شمار ہونے لگی پاکستان کے لئے آپ کی خدمات یہاں تک ہی محدود نہ رہیں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے اور پھر عالمی عدالت کے جج کی حیثیت سے آپ نے نہ صرف مجموعی لحاظ سے بین الاقوامی برادری کی خدمت کی بلکہ ایسا کرنے میں آپ نے پاکستان کے عزّ و وقار میں بھی اضافہ کیا۔

مَیں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ گوناگوں حیثیتوں کے اعتبار سے آپ کو بین الاقوامی برادری اور اقوام متحدہ میں عزّ و شرف کا جو مقام حاصل رہا ہے وہ یقیناً باعثِ افتخار تھا اور قدرتی طور پر ہم سب اس فخر میں شریک تھے۔

عالمی عدالت سے آپ کے ریٹائر ہونے پر مَیں اور میرے رفقاء کار اپنی اس انتہائی پُرخلوص خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ آئندہ زندگی میں بھی آپ صحت و عافیت کے ساتھ خوش و خرم رہیں۔"

(دی پاکستان ٹائمز ۱۸ مارچ ۱۹۷۳ء صہ)

الفرقان:- اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری دردمندانہ دعا ہے کہ وہ حضرت چوہدری صاحب مدظلہ کو صحت و سلامتی کے ساتھ مزید لمبے عرصہ تک اسلام و احمدیت کی خدمات کی توفیق بخشے۔ اللّٰھم آمین یا ربّ العٰلمین ●

مسلمان کی تعریف

(منقول از ہفت روزہ صدق جدید)

[لکھنؤ (بھارت) سے مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ہفت روزہ صدق جدید شائع فرماتے ہیں انہوں نے ۲۰ دسمبر ۱۹۵۷ء کے صدق جدید میں "مسلمان کی تعریف" کے زیرعنوان ذیل کا قیمتی مقالہ اپنے اِن تعارفی کلمات کے ساتھ شائع فرمایا تھا کہ :-

"ناظرین یقین فرمالیں کہ مضمون نگار صاحب نہ قادیانی ہیں نہ رافضی، نہ وہابی نہ بدعتی۔ نہ پرویزی نہ چکڑالوی۔ نہ خارجی نہ مودودی۔ بلکہ ٹھیٹھ اہلسنت ہیں۔ جمعیۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے ہیں"

(صدق جدید ۲۰ دسمبر ۱۹۵۷ء)

ہم اس مضمون کو غداترس اصحاب کے غور و فکر کے لئے نقل کر رہے ہیں ——— (ایڈیٹر)]

"یاد ہوگا کہ مغربی پاکستان میں جو ایجی ٹیشن قادیانیوں کے خلاف ہوا اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ مارشل لاء لگا علماء جیل میں ڈالے گئے۔ ایک تحقیقاتی عدالت قائم ہوئی جس میں بہت سے علماء (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی، شیعہ) نے شہادتیں دیں۔ عدالت نے سب سے پوچھا کہ اسلام کی رُو سے "مسلم" کی تعریف کیا ہے؟ عمر بھر درس و تدریس اور فتوٰی دینے والے علماء اس سوال پر بہت چکرائے مشکل سے جواب دے سکے اور متضاد جوابات دیکر خود ایک دوسرے کی تکذیب کر بیٹھے۔ کوئی ضروریاتِ دین کی حد تک گیا ہے جو شخص ضروریاتِ دین کو مانے وہ مسلمان ہے مگر ضروریاتِ دین کیا ہیں؟ ان کی فہرست کوئی عالم پیش نہ کر سکا چند علماء نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ عدالت نے اس سوال پر غور کرنے کی مہلت نہیں دی۔ گویا ساری عمر مسلمان کی تعریف سے بے نیاز اور غافل رہے اور غفلت میں لاکھوں بندگانِ خدا کو کافر بنا ڈالا۔ حال میں سنی شیعہ جھگڑے چلے جن میں کئی جانوں کا اتلاف ہوا، نہ معلوم آئندہ کیا ہو۔

ہم ذیل میں لفظ "مسلم" کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ شاید اس سے پاکستان کے علماء کو کوئی فائدہ اُٹھا سکیں اور انہیں لفظِ مُسلم کی تعریف کے لئے کچھ مواد مل جائے۔

(۱)

لاہور کے معاصر آزاد نے سوال اُٹھایا ہے کہ جب صدر مملکت کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے تو لفظ "مسلمان" کی آئینی تعریف بھی قانون میں شامل ہونی چاہیئے اور جبکہ رائے دہندوں کو مسلمان اور نامسلمان کے خانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے، مسلمان کی تعریف اور بھی ضروری ہوگئی ہے۔ ورنہ رائے دہندوں کی تقسیم بالکل بیکار ہوجائے گی اور فلاں فرقہ کو بھی مسلمانوں میں شامل کر لیا

جائے گا۔ (روزنامہ آزاد۔ ۱۰ر نومبر ۱۹۵۷ء)

بیشک لفظ "مسلمان" کی تعریف ضرور شائع ہونی چاہیئے۔ مگر اس کی تعریف علماء کرام ہی فرمائینگے تو ہوگی۔ اس کے صرف دو طریقے ہوسکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جس فرقہ کو اسلام سے خارج کرنا یا اسے کافر قرار دینا ہو اُسے پہلے ذہن میں محفوظ رکھیں اور پھر "مسلمان" کی کوئی ایسی تعریف نکالیں جس میں صرف وہی فرقے داخل ہوسکیں جن کو تعریف کرنے والے داخل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ اختیار کرنے سے علماء کو بڑا تکلف کرنا ہوگا۔ پہلے سے مسلمان کی تعریف کیئے بغیر یہ فیصلہ کر لینا کہ فلاں فرقہ اسلام سے خارج ہے اور پھر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیئے کتاب وسنت کے ساتھ زور آزمائی کرنا بڑی محنت اور ساتھ ہی بڑی بد دیانتی چاہتا ہے۔ اگر ہر فرقہ نے دوسرے فرقہ کو اسلام سے نکالنے کے لیئے لفظ مسلمان کی کوئی من مانی تعریف کی تو کسی ایک تعریف پر بھی اتفاق نہ ہوسکے گا اور نتیجہ میں کوئی فرقہ بھی مسلمان ثابت نہ ہوگا۔ نیچے میدان صاف اور لفظ "مسلمان" کی تعریف متعلق روز روز کے جھگڑوں سے نجات اور مسلمان در گور و مسلمانی در کتاب۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کتاب وسنّت کے الفاظ میں پہلے سے فیصلہ کیئے بغیر ایمانداری سے مسلمان کی تعریف تلاش کر لی جائے۔ نہ تو ذہن میں یہ ہو کہ فلاں فرقہ کو ضرور مسلمان ثابت کرنا ہے نہ یہ کہ فلاں فرقہ کو اسلام سے نکالنا ہے۔ کتاب اللہ اور اقوالِ پیغمبرؐ سے انہی کے الفاظ میں مسلمان کی تعریف اخذ کر لی جائے اور اس بات کی بالکل پرواہ نہ کی جائے کہ اس کی رُو سے کون مسلمان اور کون کافر قرار پاتا ہے۔ جو فرقہ بھی اس تعریف میں آتا ہو اُسے آنے دو اور جو اس سے نکلتا ہو اُسے نکل جانے دو۔ نہ تو کسی کو زبردستی داخل کرو اور نہ زبردستی نکالو۔ اگر کوئی تعریف سب کو اسلام کی آغوش میں لیتی ہے تو تم بھی اُسے گلے لگاؤ اور اُسے دھکے دینے کی کوشش نہ کرو۔

(۲)

کتاب وسُنّت میں لفظ مسلم کی کوئی متفق علیہ تعریف موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

علمائے کرام نے کتاب وسُنّت کا گہرا مطالعہ اور اس کا منشاء معلوم کر کے ایک عقیدہ مقرر کیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس عقیدے کو سچے دل سے مانتا ہے وہ مسلمان ہے خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو۔ وہ عقیدہ یہ ہے:۔

"میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر،
اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں
پر، آخرة کے دن پر اور اس بات
پر کہ خیر وشر کا وہی مالک ہے اور
اس پر کہ مرنے کے بعد جینا برحق ہے
ایمان لاتا ہوں۔"

اگر یہی عقیدہ ایک مسلم کی کسوٹی ہے تو ہر فرقہ سے پوچھو کہ وہ اس عقیدہ کی تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ایمان رکھتا ہے تو اسے مسلمان

سمجھو اور تفصیلات کو علّام الغیوب کے حوالے کرو۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ پھر ایسے فرقہ کو اسلام سے خارج کردے اور اس عقیدے کو بے نتیجہ اور بے اثر بنائے۔ اگر اس استدلالی اور استنباطی عقیدہ سے کام نہیں چل سکتا تو پھر کتاب اللہ سے کتاب اللہ کے الفاظ میں پوچھو اور قرآن کریم سے لفظ مسلم کی تعریف نکالو۔ قرآن ہر زمانہ میں بولنے والی کتاب ہے۔ ناممکن ہے کہ ضرورت کے وقت وہ ہمیں لفظ مسلم کی تعریف سے آگاہ نہ کرے اور ہمیں مسلمان کی تعریف نہ بتا پائے۔ ہم نے جب اس مقصد کے لئے قرآن حکیم سے پوچھا تو اُس نے بتایا:-

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ
زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (انفال ع)

ترجمہ: مومن وہ ہیں کہ ذکرِ الٰہی کے وقت اُن کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے اور جب آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور خدا کے بخشے ہوئے رزق کو خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں سچے ایمان والے۔

(۲) فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ
اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
(ہود ع)

ترجمہ: اگر وہ تمہاری بات کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ یہ قرآن خدا کے علم کے مطابق اُترا ہے اور یہ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں پس کیا تم مسلمان ہو۔

(۳) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ
اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝
(المائدہ ع)

ترجمہ: اور ہم نے حواریوں کو وحی کی کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

(۴) قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (الانبیاء ع)

ترجمہ: کہہ دو کہ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے پس کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟

(۵) فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ
فِي الدِّيْنِ ۔ (توبہ ع۲)

ترجمہ: اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

(۶) فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ
الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ۝ (اعراف ع)

ترجمہ: پس تم اللہ اور اس کے نبی اُمّی کی رسالت پر ایمان لاؤ۔ جو خود بھی اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لایا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔

اب آپ خواہ کسی آیت سے لفظ مسلم اور مومن کی تعریف اخذ کریں یا تمام آیات کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالیں، خلاصہ یہی ہے کہ جو شخص خدا کی توحید اور صاحب قرآن کی رسالت کا قائل ہے، نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ مسلمان ہے، سچا مومن ہے، مسلمان کا بھائی ہے، ہدایت یافتہ ہے، اور حواری تو خدا اور اس کے رسولؑ پر ایمان لا کر لوگوں کو گواہ بناتے ہیں کہ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ۔

(۳)

قرآن کے بعد صاحب قرآن کی طرف آئیے اور دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مسلم قرار دیا ہے؟

۱۔ حضرت جبرئیلؑ نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اس کی ملاقات پر، اس کے رسولوں پر، دوسری زندگی پر یقین کرو۔ فرشتے نے پوچھا اور اسلام؟ فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو۔

(بخاری کتاب الایمان)

۲۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی شہادت کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کا قیام۔ زکوٰۃ کی ادائیگی۔ بیت اللہ کا حج۔ رمضان کے روزے۔

(بخاری کتاب الایمان)

۳۔ جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو مانا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے۔ (مشکوٰۃ)

مسلم کی تعریف میں خدا نے جو کچھ بتایا ہے کیا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسری راہ اختیار کی؟ ایمان کی تعریف میں اور مسلم کی تعریف

میں اسلام کی بنیادیں کیا ہیں؟ اس کا اجمال قرآن میں اور تفصیل صاحب قرآن کے فرمان میں ہے۔ پس جو شخص، جو فرقہ ایمان و اسلام کی ان تمام باتوں کو مانتا ہے وہ سچا مسلمان اور پکا ایمان دار ہے کسی کو حق نہیں کہ کچھ اپنی طرف سے بڑھا کر کسی کو اسلام سے خارج کرے اور کتاب اللہ اور ارشادات رسول سے تجاوز کرکے صرف اپنے اسلام کا ڈھنڈورا پیٹے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیات اور احادیث مسلم کی تعریف میں کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ کچھ اور آیات اور احادیث ہیں جو لفظ مسلم کی تعریف میں قول فیصل کا حکم رکھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ آیات اور احادیث پیش کرو اور ان میں اپنی طرف سے کچھ نہ ملاؤ مطلب یہ ہے کہ اسلام سے اس فرقہ کو خارج کرو جسے کتاب اللہ اور اقوالِ رسول اللہ خارج کریں اور ان فرقوں کو مسلمان سمجھو جن کو خدا اور رسول مسلمان قرار دیں۔ ایک حرف کی کمی بیشی نہ کرو۔ الفاظ اور ان کا صحیح مفہوم جوں کا توں رہنے دو اور پھر دیکھو کہ اسلام میں کون داخل ہوتا اور کون خارج ہوتا ہے۔

اس موقعہ پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے :-

"بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا وہ احمق سی کوئی حبشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دی۔ آپؐ نے ان صاحب سے فرمایا لے جاؤ یہ مسلمان ہے۔ اللہ اکبر! اسلام کی حقیقت پر کتنے پردے پڑ گئے ہیں آپؐ اسلام کے لیے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دینا کافی سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک آج کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ نسفی کے بندھے ہوئے عقائد پر حرفاً حرفاً آمنتُ نہ کہتا جائے۔" (رسالہ اہلسنت والجماعت ص۲۴)

(۴)

اسلام اور ایمان کے مقابلہ میں کفر اور انکار ہے

جو مسلمان نہیں وہ نامسلمان ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان کون ہے اور اس کے لئے کن باتوں کا ماننا ضروری ہے۔ پس جس شخص کو ان باتوں سے انکار ہے وہ نامسلمان ہے۔ یہ بات اتنی واضح ہے جس پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم وضاحت کے لئے یہ کہنا شاید نامناسب نہ ہوگا کہ کفر کی بنیاد انکار و تکذیب ہے۔ اَلتَّاوِیْلُ فَرْعُ الْقُبُوْلِ (تاویل قبول و تسلیم ہی کی ایک شکل ہے۔)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں :-

اَمَّا الْوَصِیَّۃُ فَاَنْ تَکُفَّ لِسَانَکَ عَنْ تَکْفِیْرِ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ مَا اَمْکَنَکَ مَا دَامُوْا قَائِلِیْنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ غَیْرَ مُنَاقِضِیْنَ لَھَا وَالْمُنَاقَضَۃُ تَجْوِیْزُھُمُ الْکَذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعُذْرٍ اَوْ بِغَیْرِ عُذْرٍ فَاِنَّ التَّکْفِیْرَ فِیْہِ

خَطَرٌ وَّ السُّکُوْتُ لَا خَطَرَ فِیْهِ۔

(التفرقة بین الاسلام والزندقة ص۵۶)

ترجمہ: میری نصیحت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اہل قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان کو روکو جب تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل رہیں اور اس کے خلاف نہ کریں اور خلاف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عذر یا بغیر عذر کے کاذب قرار دیں۔ کیونکہ کسی کو کافر کہنے میں بڑے خطرات ہیں اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

چونکہ امام صاحب نے مسئلہ تکفیر کی گہری ریسرچ کی ہے اور کتاب التفرقہ اسی موضوع پر لکھی ہے اسلئے انہوں نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ مسلمانوں کے فرقے جب ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں تو اس کے لئے انکار و تکذیب ہی کا حربہ استعمال کرتے ہیں مگر جب تک قائل خود انکار نہ کردے اور اپنی طرف سے تکذیب کا یقین نہ دلائے اسے مکذّب و مکفّر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

امام صاحب فرماتے ہیں:-

"ہر فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر کرتا ہے اور اس پر رسولؐ کی تکذیب کی تہمت دھرتا ہے حنبلی اشعری کو کافر لکھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے خدا کے لئے اُوپر کی جہت اور عرش پر بیٹھنے کی تکذیب کی ہے۔ اور اشعری حنبلی کو اسلئے کافر کہتا ہے کہ وہ خدا کی تشبیہ کا قائل ہے۔ حالانکہ رسولؐ نے تو لَیْسَ کَمِثْلِهٖ کہا ہے۔ اسلئے وہ رسولؐ کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اشعری معتزلی کو اس بناء پر کافر بتاتا ہے کہ اُس نے خدا کے دیدار ہونے اور خدا میں علم و قدرت اور دیگر صفات کے قائم بالذّات ہونے سے انکار کرنے میں رسولؐ کی تکذیب کی ہے۔ اور معتزلی اس خیال سے اشعری کو کافر بتاتا ہے کہ صفات کو عین ذات نہ ماننا تکثیر فی الذات ہے اور توحیدِ باری کی تکذیب رسولؐ اللہ کی تکذیب ہے۔"

(التفرقہ بین الاسلام الزندقہ ص۳۳)

یہ سطور اہلِ پاکستان کے اُن علماء کے لئے لکھی گئی ہیں جو حکومت سے لفظ مسلم کی تعریف کرانا چاہتے ہیں اگرچہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ وہ تعریف سے پہلے ہی بعض فرقوں کو خارج از اسلام قرار دینے کے لئے بے چین ہیں اور تعریف بھی ایسی مَن مانی کرانا چاہتے ہیں کہ جن کو وہ مسلمان کہنا نہیں چاہتے وہ مسلمان ثابت نہ ہوں۔ اِس اُلجھن کو دُور کرنے کے لئے یہ سطور پلیش کی جا رہی ہیں"۔

(صدق جدید ۲۰/۶ دسمبر ۱۹۵۷ء)

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تاریخ اصحاب احمدؑ کا ایک انمول واقعہ!

"شدید دردِ گردہ کی حالت میں بھی زیارتِ حبیبؑ کی آرزو" (حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کا بیان)

(سیرتِ اصحابِ احمد جلد چہارم صفحہ ۹۵)

(از جناب چودھری عبد السلام صاحب اختر ایم - اے)

مرقّع دیکھئے اِک خوبیٔ حُسنِ ارادت کا ۔۔۔ درِ محبوب سے اصحابِ احمدؑ کی عقیدت کا
عقیدت کیا؟ وفا کی جاں نثاری اَور کیا ہوگی! ۔۔۔ محبّت میں جنوں کی پختہ کاری اور کیا ہوگی؟
یہ فرماتے ہیں ایک بندے پاک رحماں کے ۔۔۔ کہ جو خود تھے صحابی مہدیٔ موعودِ دَوراں کے
جہانِ مہر و اُلفت میں تھا اک عالی مقام اُن کا ۔۔۔ زبانِ خلق پہ منشی ظفر احمد تھا - نام اُن کا
سُناتے ہیں وہ خود اپنی زباں سے داستاں اپنی ۔۔۔ کہانی دل کی کرتے ہیں وہ لفظوں میں بیاں اپنی
وہ لکھتے ہیں بہت بیمار تھا مَیں دردِ گُردہ سے ۔۔۔ مرض تھا سخت اور لاچار تھا مَیں دردِ گُردہ سے
یہ درد ایسا تھا جو صورت کوئی ہو کم نہ ہوتا تھا ۔۔۔ کسی پہلو، کسی کروٹ، کبھی مدّھم نہ ہوتا تھا
کسک اس کی بلائے جسم و جاں معلوم ہوتی تھی ۔۔۔ جو ٹیس اُٹھتی تھی مرگِ ناگہاں معلوم ہوتی تھی
عبث تھا کوششِ چارہ گری کا ہر ہُنر مجھ پر ۔۔۔ نظر آتا تھا جیسے ہوں دوائیں بے اثر مجھ پر
مگر سب سے بڑا غم تھا مجھے جو دردِ پنہاں سے ۔۔۔ وہ محرومی تھی میری صحبتِ موعودِ دَوراں سے
خلش رہتی تھی دل میں دیکھ لوں وہ ماہِ تابندہ ۔۔۔ جو ممکن ہو سمیٹوں دل میں وہ انوارِ رخشندہ
مگر حسرت بسا اوقات دل کی دل میں رہ جاتی ۔۔۔ تمنّا آنسوؤں کے راستے سے ہو کے بہہ جاتی
حضورِ پاکؑ کو بھی علم تھا اِس دردِ پنہاں کا ۔۔۔ میرے قلبِ پریشاں کا، میرے حالِ غریباں کا

حضور اکثر تشفّی کا مجھے پیغام بھجواتے
دوا بھی بھیج دیتے اور دعا بھی ساتھ فرماتے

پھر اک دن یہ ہوا ارشاد "آپ ہرگز نہ گھبرائیں
"اگر ہے درد اب بھی بے تکلّف میرے پاس آئیں"

پیامِ دلبری تھا یہ کہ اک اندازِ جانانہ
مسرّت کھل اٹھی میرے چمن میں فاتحانہ

میں بھولا کوئی درد ایسا بھی ہے جو بار ہے مجھ کو
یا پھر غم ہے کوئی جو موجب آزار ہے مجھ کو

محبت میں یہ لطفِ عام سا محسوس ہوتا ہے
کہ ہر تکلیف میں آرام سا محسوس ہوتا ہے

نگاہوں میں مِرے چھانے لگے انوارِ محبوبی
عجب تسکین برسانے لگے۔ انوارِ محبوبی

مگر یکدم مجھے یاد آیا یہ تھا حکم حضرت کا
کہ میں حاضر ہوں تب جب درد ہو گُردے میں شدّت کا

معاً دل میں مِرے اک بے قرارانہ صدا اُٹھی
جُھکا جب دل۔ درِ باری پہ۔ دل سے یہ دُعا اُٹھی

کہ اے معبود! یہ دردِ نہاں کچھ کم نہ ہو ہرگز
یہ ٹیسیں اُٹھتی رہے سینے میں اور مدّھم نہ ہو ہرگز

یہ درد اِک واسطہ بن جائے انعامِ سعادت کا
حضورِ پاک کے رُوئے مبارک کی زیارت کا

خدائے پاک نے سُن لی صدائے التجا۔ میری
ہوئی مقبول میرے دل سے جو اُٹھی دعا میری

نظر کے سامنے روئے حبیب مژدہ بار آیا
میرے مجبور دل کی بے قراری کو قرار آیا

تبسّم کے کنول دیکھے تو دنیا مُسکرا اُٹھی
میری سُوکھی ہوئی کھیتی کی قسمت جگمگا اُٹھی

حضورِ پاکؑ نے قربت میں اپنی مجھ کو بٹھلایا
بڑی شفقت سے میرا حالِ دل دریافت فرمایا

پھر اپنے مہمانوں کی صفِ اوّل میں بٹھلا کر
ہمارے سامنے خود رکھا۔ گھر سے ماحضر لا کر

جنوں کا شور بہ۔ کچھ مُولیوں کے ساگ کے پتّے
بصد بیتابیٔ دل میرے ذوق و شوق نے چکھے

تبرّک جو میرے حصّے میں آیا لے لیا میں نے
بچا جو خوانِ نعمت سے وہ پانی بھی پیا میں نے

میں سچ کہتا ہوں یہ برکت تھی یا فضلِ خدا مجھ پر
نہ دردِ گُردہ کا کوئی اثر باقی رہا مجھ پر

کیا مصر سے خروج کے بعد بنی اسرائیل مصر پر قابض ہوئے تھے؟

رجلِ مؤمن کون تھا؟

(محترم جناب شیخ عبد القادر صاحب لاہور)

{ اس تحقیقی مقالہ میں مستشرقین کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے نیز ایک جدید نظریہ پیش کیا گیا ہے جو قابلِ غور اور قابلِ توجہ ہے ——— (ایڈیٹر) }

——— (۱) ———

مستشرقین نے قرآن مجید پر ایک تاریخی اعتراض یہ کیا ہے کہ اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل فرعونی مقبوضات کے وارث ہو گئے تھے۔ حالانکہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل چالیس سال تک صحراؤں میں بھٹکتے رہے۔ اس دوران وہ کنعان میں بھی داخل نہ ہو سکے مصر پر قابض ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔

سورۃ الشعراء کی حسب ذیل آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے:-

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ

(آیت ۵۸-۶۰)

تب ہم نے ان کو (فرعون اور آلِ فرعون کو) باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت والے ملک سے نکال دیا۔ ایسا ہی ہوا اور ہم نے ان (چیزوں) کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا۔

تفسیر صغیر میں اس آیت پر مندرجہ ذیل نوٹ موجود ہے:-

"مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کو اس جگہ لے گئے جہاں یہ سب چیزیں میسر تھیں۔ باغ، چشمے، خزانے اور اعلیٰ درجہ کا ملک (یعنی فلسطین)

ورنہ بنی اسرائیل واقعۂ فرعون کے بعد مصر کے حاکم نہیں ہوئے۔"

اس کی تائید سورۃ اعراف سے بھی ہوتی ہے فرمایا:-

"اور ہم نے اس قوم کو جس کو ضعیف سمجھا جاتا تھا اس ملک کے مشرقی حصوں کا بھی اور مغربی حصوں کا بھی وارث بنا دیا جس کو ہم نے برکت دی تھی۔ اور تیرے رب کا بنی اسرائیل سے کیا گیا اچھے سے اچھا کلام (وعدہ) پورا ہو گیا اسلئے کہ انہوں نے صبر کیا۔" (آیت ۱۳۸)

صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل مصر پر قابض نہیں ہوئے بلکہ ان کو ارضِ موعودہ (فلسطین) کا قبضہ دلایا گیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شام و فلسطین کے مقامات کریمہ فرعون اور آلِ فرعون کے قبضہ میں تھے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ فرعون اور اس کی جماعت کو یہاں سے نکال کر بنی اسرائیل کو بسا دیا گیا۔ اس کے جواب میں پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ شام و فلسطین کے مقامات کریمہ پر مصر قابض تھا۔

کتبات مصر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۰۰ قبل مسیح سے لیکر بارھویں صدی قبل مسیح تک شام و فلسطین کے علاقے مصر کے زیر اقتدار تھے جب ملکی آزادی کی جدوجہد شروع ہوتی تو بری طرح کچل دی جاتی۔ فرعون موسیٰ رعمسیس دوم کے ایک کتبہ میں ہے :-

"خوفناک دہاڑتے ہوئے شیر ببر نے (ارضِ کنعان کے) بدوی قبائل کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس نے کوہ شعیر کے علاقہ کو اپنی قوتِ بازو کے بل پر غارت کیا۔"[۱]

رعمسیس نے لبنان میں قادش کے مقام پر ایک خونریز جنگ لڑی جس میں وہ فاتح بن کر لوٹا۔ رعمسیس کے بیٹے (غرق ہونے والے فرعون) منفتاح کے دور میں ان علاقوں میں بغاوتیں ہوئیں جو ختم کر دی گئیں۔ منفتاح کے مشہور کتبہ میں شام و فلسطین کے مقامات کریمہ کا ذکر ہے اور ان علاقوں میں بغاوتوں کے فرو کرنے کا بھی ذکر ہے۔

لکھا ہے :-

"شہزادے میرے سامنے تسلیم خم کرتے اور رحم کی بھیک مانگتے ہیں۔ ..... تحینو (طرابلس الغرب کے رہنے والے) مغلوب ہو گئے۔ (شمالی شام کے) حتی ٹھنڈے کر دیئے گئے کنعان کی سرزمین میں جتنا فساد تھا جڑ سے اکھاڑ دیا گیا عسقلان (سواحل فلسطین) کے رہنے والے قید ہو کر آ گئے (جنوب مغربی فلسطین میں) جزر کے رہنے والے

۱۔ جرنل آف دی تھیولوجیکل سٹڈیز اپریل ۱۹۶۹ء ص۱

مفتوح ہوئے (شمالی فلسطین کے اہم شہر) یانوآم کا تو یہ حال ہے کہ جیسے وہ موجود ہی نہ تھا۔ قوم اسرائیل تباہ حال ہوگئی۔ اس کی نسل کُشی ہوگئی (تخم نہیں رہا) خُرُو (ملک شام) ایسا ہوگیا جیسے مصر کی بیوائیں۔ تمام سلطنت میں امن امان عام ہوگیا۔ جس نے بھی فتنہ و فساد برپا کیا وہ پکڑا گیا۔"

(The Ancient Near East by James B. Pritchard P. 231)

یہ ہیں وہ مقاماتِ کریمہ جن پر فراعنہ نے قبضہ کر رکھا تھا۔ شام و فلسطین کے مشارق و مغارب پر آلِ فرعون چھائی ہوئی تھی۔ فرعونیوں کو نکال کر بنی اسرائیل کو وہاں بسایا گیا۔ یہ سب کچھ نصف صدی میں ہوگیا۔

وہ قوم جس کے متعلق فرعون نے اپنے کتبہ میں بڑا بول بولا اور یہ تعلّی کی کہ اس کی ہم نے نسل کُشی کردی ہے اور اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں۔ مظلومیت کے انہی پیکروں کو مصر کی نوآبادیوں میں بسایا گیا اور آلِ فرعون سے وہاں کے باغات، چشمے، خزانے اور مقاماتِ کریمہ چھن گئے۔ چشمِ فلک نے ایک عجیب ماجرا دیکھا کہ بنی اسرائیل کی تباہی کے کتبے لگانے والے سمندر میں ڈوب مرے جبکہ اسی سمندر سے بنی اسرائیل محفوظ گزر گئے۔ جس وقت بنی اسرائیل کنعان میں بس رہے تھے اس وقت فرعون کی حنوط شدہ لاش شاہی قبرستان میں دوسروں کو عبرت دے رہی تھی:۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

کہاں گیا وہ فرعونِ مصر؟ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ شام و فلسطین کے ممالک میرے زیرِ نگین ہیں اور قوم بنی اسرائیل میرے پنجۂ استبداد میں۔ وہ تباہ حال ہے نرینہ اولاد سے محروم۔ کوئی ماں ایسی نہیں جس کے دل پر اولاد کی جدائی کا داغ نہیں۔ تصور کیجئے کتبہ کے الفاظ ذیل — غم و اندوہ کے کتنے افسانے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں:۔

"قوم اسرائیل تباہ حال ہے اس کا تخم نہیں رہا۔"

علماء کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے دو حصّے تھے۔ ایک مصر میں تھا ایک کنعان میں۔ فرعون نے دونو کو تباہ حال کر رکھا تھا۔ کنعان والے حصّہ کی بغاوت کو کچل دینے کا یہاں ذکر ہے۔ میرے نزدیک دونو مراد ہیں۔

نصف صدی کے بعد وہی قوم ارضِ کنعان کی مالک بن جاتی ہے۔ فرعون اور آلِ فرعون قعرِ مذلّت میں گر جاتے ہیں۔ اللہ اکبر! کتنا بڑا انقلاب اور اعجاز ہے جس کا قرآن حکیم نے واشگاف الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ آثارِ قدیمہ نے قرآنی بیانات کی تصدیق کر دی ہے۔

—— (۲) ——

تصویر کا دوسرا رُخ ابھی باقی ہے۔ فرعون اور جنودِ فرعون کی غرقابی کے بعد جہاں بیرونِ ملک

انقلاب آیا وہاں اندرونِ مصر بھی ایک انقلاب انگیز تباہی سے آلِ فرعون دوچار ہوئی۔ قرآن حکیم نے تصویر کا دوسرا رُخ بھی پیش کیا ہے۔ فرعون کی غرقابی کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا:۔

فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بناتے تھے اور جو بلند عمارتیں کھڑی کرتے تھے ان سب کو ہم نے توڑ دیا۔

(الاعراف آیت ۱۳۸)

انہوں نے اپنے پیچھے بہت سے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور بڑے آرام دہ مقام اور ایسی رہائش والی جگہیں جن میں خوب خوش رہا کرتے تھے چھوڑیں۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے اِن سب چیزوں کا وارث ایک اور قوم کو کر دیا۔ پس آسمان اور زمین اُن پر نہیں روئے اور اُن کو ڈھیل نہیں دی گئی۔ (دخان آیت ۲۶ - ۳۰)

آلِ فرعون میں سے ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مخفی ایمان رکھتا تھا اس رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ نے قوم کو آنے والی تباہی سے برملا طور پر آگاہ کر دیا تھا۔ فرعون کے دربار میں اُس کی تقریر کے بعض ٹکڑے قرآن کریم میں آئے ہیں۔ اُس نے کہا:۔

اے میری قوم! آج تمہاری ایسی حکومت ہے کہ تم ملک پر غالب ہو۔ پس بتاؤ کہ اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں اگر وہ ہم پر نازل ہو گیا تو ہماری مدد کون کرے گا؟ ...... اے میری قوم! گزشتہ بڑی بڑی قوموں کے ہلاکت کے دن کی طرح میں تمہاری ہلاکت کے دن سے بھی ڈرتا ہوں جیسا کہ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود پر گزرا۔ اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

اور اے میری قوم! میں تم پر اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکاریں گے جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤ گے اور اللہ کے مقابلہ میں کوئی تم کو بچانے والا نہیں ہوگا۔ (سورۃ المومن: ۳۰-۳۴)

اِن آیات میں جس تباہی اور معرکہ حق و باطل کی خبر دی گئی اس کی تفصیل بھی آثارِ مصر سے مل چکی ہے۔ یوں تو فرعون کی زندگی ہی میں قبائلِ بحری و لیبیا کے قبائل ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑے۔ ایک عظیم تباہی سے مصر دوچار ہوا۔ فرعون نے کسی حد تک اس فتنہ کو دبا دیا۔ بغاوت کی انتہا اُس وقت ہوئی جب فرعون اور جنودِ فرعون مع اسلحہ جنگ کے ڈوب مرے۔ یہ اتنا بڑا کلنک کا ٹیکا تھا کہ اس کا کتبات میں ذکر تک نہیں ہوا۔ نشانِ ذلت کو کون اجاگر کرتا ہے؟ ہاں یہ بات

بالکل واضح ہے کہ فرعون کی موت کے کچھ عرصہ بعد مصر ایک عظیم بغاوت اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ہر سردار نے اپنی الگ حکومت بنائی۔ شام نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ فلسطین نے بھی غلامی کا جُوا اُتار پھینکا۔ شام و فلسطین کے وہ غلام جو کہ مصر میں صدیوں سے پس رہے تھے انتقام انتقام پکارتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر طرف تباہی اور بربادی کا منظر تھا۔ ظالم فرعونیوں کا بچہ بچہ چُن چُن کر ختم کر دیا گیا۔ مندر لُوٹے گئے۔ تہذیبِ مصر کا سہاگ خاک میں مل گیا۔ شاندار عمارتیں اور شاندار مصر کے مقبرے تباہ و برباد ہو گئے۔ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر ایک شامی شہزادہ غلاموں کی مدد سے برسرِ اقتدار آ گیا۔ اُس نے سارے مصر کو اپنے تسلط میں لے لیا۔ دیوتاؤں کے سامنے نذر و نیاز بند ہو گئے اس نے اعلان کیا کہ جن کو تم پُوجتے ہو وہ تو اپنے وقت کے (ایک) انسان تھے۔ تمہارے پروہت انہی دیوتاؤں کے نام پر تمہارا استحصال کرتے رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کے دور میں کاہنوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔ یہ مردِ حُری مصر کے سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد پُرانے نظام کے حامیوں نے اس سے حکومت چھین لی۔

یہ شخص جسے حُوری یعنی شامی شہزادہ کہا گیا کون تھا؟ مصر کی تاریخ کا یہ ایک پُر اسرار حصہ ہے مصر کے آثار سے ۱۲۰ فٹ لمبا ایک پیپرس پر لکھا ہوا طومار ملا ہے۔ اس میں فرعون رعمسیس سوم یہ بتاتا ہے کہ میں نے کن حالات میں حکومت سنبھالی۔ منفتاح ۱۲۲۵ قبل مسیح میں غرق ہوا۔ رعمسیس سوم ۱۱۸۲ یا ۱۱۷۵ ق م میں برسرِ اقتدار ہے۔

پیکس بائیبل کومنٹری میں لکھا ہے:۔

The death of Meneptah (c.1225) was followed by a period of confusion wich lasted till the time of Rameses III, (P.56)

"منفتاح کی وفات ۱۲۲۵ قبل مسیح میں ہوئی۔ اس کے بعد دورِ تشتت و افتراق ہے جو کہ رعمسیس سوم کے عہد تک ممتد رہا۔"

رعمسیس سوم کب برسرِ اقتدار آیا۔ اس کے زمانہ کے متعلق اختلاف ہے۔ تین نظریات ہیں (۱) ۱۱۹۵ قبل مسیح (۲) ۱۱۸۲ ق م (۳) ۱۱۷۵ ق م۔ مؤخر الذکر دو تاریخیں اب زیادہ درست مانی جاتی ہیں۔ (جرنل آف تھیولوجیکل سٹڈیز اپریل ۱۹۶۹ حاشیہ صـ۲)

۴۸ سال یا نصف صدی کے عرصہ میں تین چار کمزور سے فرعون نظر آتے ہیں ــــــ یہ پورا عرصہ بغاوتوں اور خانہ جنگی میں گزرا۔ اسی دوران مذکورہ شامی شہزادہ اُفقِ مصر پر اُبھرا۔ اس پس منظر میں

مذکورہ طومار کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ طومار میں رعمسیس سوم کہتا ہے :۔

"اس زمانہ میں سرزمین مصر تشتت و افتراق کے دور سے گزر رہی تھی۔ ہر آدمی اپنی ڈفلی بجا رہا تھا۔ ایک عرصہ تک ان کا کوئی ترجمانِ اعلیٰ (فرعون) نہیں تھا۔ سارا مصر مقامی افسروں اور سرداروں کی تحویل میں تھا جو کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ چھوٹوں بڑوں کے خون سے ... بازار میں آئی" ایک مکمل خلا تھا۔ اس دور میں ایک شامی شہزادہ ان (ملاء اعلیٰ) میں سے ابھرا۔ اس نے سارے مصر کو اپنا مطیع بنا لیا اور محاصل وصول کرنے لگا۔ اس نے اور اس کے حامیوں نے دیوتاؤں کے متعلق بتایا کہ وہ تو انسان ہیں (جن کو تم پوجتے ہو) نتیجہ یہ ہوا کہ مندروں میں چڑھاوے ختم ہو گئے"۔

اس کتبہ کی تشریح میں ایک عالم اثریات[1] ERICH ZEHREN کہتے ہیں کہ شامی شہزادہ نے بتایا کہ تم نے نیک انسانوں کو دیوتا بنا لیا مثلاً مصری آتم دیوتا کو پوجتے ہیں، یہ آدم ہے۔ وہ سیتھ کی پرستش کرتے ہیں، یہ آدم کا عظیم الشان فرزند شیث ہے۔ شامی شہزادہ چونکہ خود سامی نسل سے تھا وہ خوب جانتا تھا کہ مصریوں کے دیوتا دراصل اُن کے اسلاف ہیں۔

یہ شامی شہزادہ کون تھا؟ یہ بات تو صاف ہے کہ وہ مصر کے ملاء اعلیٰ میں شامل تھا۔ طومار میں اسے مصر کے سربرآوردہ لوگوں میں سے بتایا گیا۔ فرعون کی ایک بیوی شامی شہزادی تھی۔ قرین قیاس ہے کہ یہ شخص اسی کا قریبی عزیز تھا۔ فرعون کی بیویوں کے رشتہ دار "رُخ نسو" کے عہدہ پر فائز تھے۔ یہ شہزادے آلِ فرعون میں سے سمجھے جاتے اور مصر کے ملاء اعلیٰ میں ان کا شمار ہوتا۔ شامی شہزادہ بھی انہی میں سے ایک تھا۔

فرعون کی بیویوں کے رشتہ دار مصر میں مقتدر تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شامی شہزادہ وہی **رَجُلٌ مُؤْمِن** ہو جس نے مصریوں کو معرکۂ حق و باطل میں **انجام بد** سے ڈرایا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مخفی ایمان لایا تھا۔ پھر اس نے اپنے ایمان کا اظہار بڑی جرأت اور دلیری سے سرِ دربار کر دیا اور فرعونیوں کو قوم نوح اور عاد و ثمود کے انجام کے پیش نظر ڈرایا۔ وہ چونکہ موحد تھا اس نے مصریوں کو بتایا کہ تم دیوتاؤں کی شکل میں اسلاف پرستی کے شرک میں مبتلا ہو۔

اگر یہ نظریہ درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ....

1- The Cresent and The Bull P. 300

. . . . مصر میں بنی اسرائیل کے حامیوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ "قَوْماً آخَرِيْنَ" سے مراد وہ لوگ تھے جو کہ بنی اسرائیل سے ہمدردی رکھتے اور ایک ایسے سردار کے ہاتھ پر جمع ہوگئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ فرعون کی غرقابی کے بعد اُس نے مصر میں بسے ہوئے شام و فلسطین کے لوگوں کو اُبھارنا شروع کردیا ہو۔ اس معرکۂ حق و باطل میں آلِ فرعون کو شکست ہوئی اور مصر میں اہلِ شام کی حکومت ہوگئی۔ جو کہ بنی اسرائیل کی تحریکِ احیاء سے متأثر تھے۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصر کے کنعانی مقبوضات بنی اسرائیل کے پاس آگئے اور اندرونِ مصر ایک دوسری قوم اُبھر آئی۔ جس نے مصریوں کو اُن کی کرتوتوں کی پوری سزا دی۔

ان کے سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاچکے تھے۔ یہ حکومت کتنی دیر تک قائم رہی یہ امر ابھی طے نہیں پایا۔

جیمس پیرچرڈ لکھتے ہیں:۔

"انیسویں اور بیسویں خاندان کے درمیان غیر معلوم سالوں کے لئے مصر خانہ جنگی کی لپیٹ میں تھا۔ اِس دَوران ایک سریانی سردار برسرِ اقتدار آگیا۔"

(The Ancient Near East P. 184)

یہ سریانی (شامی) سردار کیا رجل مؤمن ہے؟

یہ امر مزید انکشافات کے بعد طے پائیگا فی الحال کتباتِ مصر کے پیشِ نظر یہ بات بالکل واضح ہے کہ فرعون اور جنودِ فرعون کی غرقابی کے بعد مدّت مدید تک مصر کے حالات نہایت مخدوش رہے۔ اہلِ مصر مبتلائے عذاب تھے۔ اِس دَوران شام و فلسطین آزاد ہوگئے جہاں بعد میں بنی اسرائیل قابض ہوگئے۔ قرآن حکیم کے بیانات ایک حقیقتِ ثابتہ ہیں۔ باطل نہ ماضی کے حالات کے پیشِ نظر اسے جھٹلا سکتا ہے اور نہ مستقبل کے انکشافات اس کو رد کرسکتے ہیں مستشرقین کے اعتراضات درست نہیں ہیں ✦

تبصرہ

تاریخ احمدیت جموں و کشمیر

پونے تین صد صفحات کی یہ کتاب مبلغِ سلسلہ احمدیہ جناب مولوی اسد افضل الکاشمیری کا وہ مقالہ ہے جس پر انہیں فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ کی طرف سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا تھا۔ کتاب بڑی محنت اور عرقریزی سے لکھی گئی ہے۔ منتشر معلومات کا جمع کرنا خاصہ مشکل کام ہے بالخصوص جبکہ وہ کافی پرانی ہوں۔ جموں و کشمیر میں احمدیت کی تاریخ پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ کتاب کئی رنگ میں مزید تحقیق و تدقیق کی محتاج ہے تاہم کتاب کی افادیت میں کلام نہیں۔ کاغذ، کتابت و طباعت اچھی ہے۔

سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی یاد میں

(از جناب چودھری شبّیر احمد صاحب واقفِ زندگی)

چمن میں بہاریں لٹاتی رہے گی
نسیم و صبا کو جگاتی رہے گی
تری یاد اے جانِ گلشن ہمیشہ
ہمیں مست و بیخود بناتی رہے گی

نشانِ کمالِ مسیحِ محمدؐ
بہ رنگِ جمالِ مسیحِ محمدؐ
یہ موعود آلِ مسیحِ محمدؐ
ابد تک جہاں کو دکھاتی رہے گی

مسیحِ زماںؑ کا وہ موعود بیٹا
خدا نے جسے خود بنایا خلیفہ
لقب دیدیا اس کو فضلِ عمرؓ کا
یہ آوازِ حق ہم کو آتی رہے گی

مسیحا نے جو پائی تیری بشارت
وہ پوری ہوئی ہے باصد شان و شوکت
ہدایت کی جانب تری ہر علامت
طلبگارِ حق کو بلاتی رہے گی

حسیں روئے زیبا قمر سے زیادہ
کشادہ دلی بحر و بر سے زیادہ
ہر اک بات شیریں شکر سے زیادہ
تری یاد یوں گدگداتی رہے گی

کیا تُو نے قائم نظامِ اشاعت
تری ذات سے پائی قوموں نے برکت
ہر اک ملک میں پہنچی ہے تیری شہرت
ترے گیت ہر قوم گاتی رہے گی

ترے ساتھ ہر دم رہا نورِ یزداں
مقدر میں تیرے تھی فتحِ نمایاں
تری ذات ہے رستگارِ اسیراں
رہائی غموں سے دلاتی رہے گی

رقم کی ہے تو نے جو تفسیرِ قرآں
کیا بند کوزے میں دریائے عرفاں
یہ نعمت ہے بادہ پرستوں پہ احساں
ہمیں جام کوثر پلاتی رہے گی

بڑا ہی کرم ہے ترا اے خدایا
یہ شبّیر اس کی غلامی میں آیا
جسے تُو نے فخرِ رسولاں بنایا
ہمیں یاد اس کی جگاتی رہے گی

کیا (حضرت) عیسیٰ المسیح کشمیر میں مدفون ہیں؟

"السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا" میں شائع شدہ ایک تحقیقی مضمون

(از جے۔ این۔ سادھو صاحب)

[مندرجہ بالا عنوان سے بھارت کے مشہور ترین انگریزی میگزین "السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا" میں مورخہ ۲؍اپریل ۱۹۷۲ء میں محقق نامہ نگار جے۔ این۔ سادھو صاحب کے قلم سے ایک قیمتی مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ ہم بشکریہ ہفت روزہ بدر قادیان ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔ اصل مضمون کے ساتھ محلہ خانیار میں واقع قبر مسیح کی فوٹو بھی دی گئی ہے۔
مضمون تحقیقی رنگ میں لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین الفرقان اس سے بہت محظوظ ہوں گے — ایڈیٹر]

"کیا درحقیقت (حضرت) عیسیٰؑ کی صلیب پر موت واقع ہوئی؟ کیا وہ دوبارہ زندہ ہو گئے تھے؟

بعض لوگوں کا خیال اس کے خلاف ہے اور وہ اپنے عقیدہ کی تائید میں قدیم کتب سے استناد کرتے ہیں کہ (حضرت) عیسیٰؑ اپنے زخموں سے صحتیاب ہوئے اور انہوں نے مشرق کے بہت سے ممالک کا سفر کیا اور ایک سَو دو سال کی عمر میں سرینگر میں ان کی وفات ہوئی[1]

بعض لوگ خصوصاً اسلام کی تحریک احمدیت کے پیرو اس رائے کے ہیں کہ (حضرت) عیسیٰؑ دوبارہ زندہ نہیں ہوئے اور آسمان پر ان کا رفع بجسد نہیں ہوا۔ بلکہ طبعی موت سے وفات پاکر سرینگر علاقہ کشمیر میں مدفون ہیں۔ احمدی اپنے اس عقیدہ کے اثبات کے لئے متعدد قرآنی آیات اور بائیبل سے بہت سے دلائل پیش کرتے رہے ہیں۔

عقیدۂ جماعت احمدیہ کی رُو سے (حضرت) مسیح کی وفات صلیب پر واقع نہیں ہوئی بلکہ درد کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ جب آپ کے شاگردوں نے آپ کو صلیب پر سے اُتارا تو آپ

---

[1] مضمون نگار کو سہو ہوا ہے۔ احادیث کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال ثابت ہوتی ہے۔ (دیکھو علامہ قسطلانی کی کتاب مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۴)

بیہوش تھے لیکن زندہ تھے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ قریباً چھ گھنٹے مصلوب رہے اور دوسرا دن جو کہ سبت تھا اس کے آغاز سے پہلے آپ کو سُولی سے اُتار لیا گیا تھا کیونکہ اس دن کی حرمت کے احترام کا یہود کو خاص خیال تھا۔

جب مسیحؑ ابھی صلیب پر تھے تو ایک سپاہی نے آپ کے جسم میں بھالا بھونکا جس سے خون اور پانی نکل آیا۔ اس واقعہ کا ذکر انجیل یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۴ میں یوں آتا ہے :-

"مگر اُن میں سے ایک سپاہی نے
بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی اور فی الفور
اس سے خون اور پانی بہہ نکلا۔"

اِس امر سے اس عقیدہ کی طرف رہنمائی ہوئی کہ (حضرت) مسیحؑ سُولی پر زندہ تھے، کیونکہ ایک مُردہ جسم سے خون نہیں بہتا۔

صحت یاب ہونا

سُولی سے آپ کے شاگردوں کے ذریعہ اُتارا جانے کے بعد آپ کو ایک باریک ململ میں زخموں پر ایک مرہم لگا کر لپیٹ دیا گیا جو اِس وقت تک مرہم عیسیٰ کے نام سے معروف ہے اور آپ صحت یاب ہو گئے۔ آپ کے دو مُرید یوسف اور نکودیمس نے آپ کا جسم (مبارک) ایک غار میں پہنچا کر اس کے مُنہ کو ایک بہت بڑے پتھر سے بند کر دیا کیونکہ یہ خدشہ لاحق تھا کہ یہود آپ کی وفات (واقع ہونے) کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں گے۔

یہ امر ریکارڈ میں موجود ہے کہ حضرت مسیحؑ اس مصیبت سے بحالی تک اس غار میں تین روز تک رہے۔ تیسرے روز ایک شدید بھونچال آیا جس کے بعد اندھیری چلی۔ غار پر پہرہ دینے والے سپاہی اپنی سلامتی کی خاطر وہاں سے بھاگ گئے اور غار کے مُنہ پر بڑا بھاری پتھر سرک گیا تو حضرت مسیحؑ وہاں نہیں تھے۔ غار سے (حضرت) مسیحؑ کا غائب ہونا اُن کے دوبارہ جی اُٹھنے اور آسمان کو چلا جانے کے عام خیال کا باعث بنا ہے۔

جب مسیحؑ غار سے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک باغبان کا لباس پہنا ہوا تھا اور آپ کی والدہ نے جو غار کے پاس رو دھو رہی تھیں آپ کو نہیں پہچان پایا۔ آپ ایک پہاڑی پر چلے گئے جہاں آپ کے بعض شاگردوں اور پیروکاروں نے آٹھ دن کے بعد آپ سے ملاقات کی۔ پہلے تو اُن لوگوں نے آپ پر یقین نہ کیا لیکن جب آپ نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے نیم شفا یافتہ زخم دکھلائے تو ان لوگوں کو یقین آیا اور آپ کو گوشت پوست کے جسم کے ساتھ دیکھ کر مسرور ہوئے۔ سُولی پانے کے وقت آپ تینتیس سال کی عمر کے تھے لیکن کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک سَو دو برس کی عمر پائی اور یہ عمر آپ نے مشرق کے متعدد ممالک میں پھرتے پھراتے گزاری۔

اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے صرف دو قبیلے اسرائیل میں آباد ہوئے تھے اور باقی قبیلے وہاں کے

حکمرانوں کے مظالم سے بچنے کی خاطر ترکِ وطن کر گئے تھے بعض تاریخی شہادتوں کی رُو سے ان قبیلوں میں سے اکثر افغانستان، صوبہ سرحد، تبت، نیپال اور کشمیر کو چلے گئے تھے مشہور فرانسیسی مؤرخ برنیر جو شاہ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں ہندوستان آیا تھا لکھتا ہے :-

"پیر پنجال کی پہاڑیوں کو عبور کر کے اس مملکت میں داخل ہو کر سرحدی دیہات کے باشندے مجھے ایسے نظر آئے گویا وہ یہود کے مشابہ ہیں۔ ان کی اشکال و اطوار اور وہ ناقابلِ بیان خصوصیت جو ایک سیاح کو مختلف اقوام کے باشندوں کو شناخت کرنے کے قابل بناتی ہے یہ تمام معلوم ہوتی تھیں کہ ان قدیم لوگوں کے متعلق ہیں۔ (اے قاری!) میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اُسے تم محض خیال کی طرف منسوب نہ کرو۔ ان دیہاتیوں کے یہود کے سے چہرے مہرے میری کشمیر کی سیاحت سے طویل عرصہ قبل جیسوئٹ فادر اور متعدد دیگر یورپین افراد کو بھی نظر آئے ہیں۔ رحیم جو، لسہ جو اور احد جو ناموں سے خیال ظاہر ہوتا ہے کہ ان ناموں والے یہودی قومیت رکھتے تھے۔ بہت سے سیاحوں کو کشمیر کے بہت سے باشندگان کی یہود کی سی خط و خال کی طرز محسوس ہوتی ہے۔"

ایک اَور مصنف جان نوئل لکھتا ہے :-

"نہایت ہی قوی ہیں یہ چوڑے چکلے شانوں والے کشمیری دہقان۔ تاہم وہ نرم خو اور متحمل مزاج ہیں۔ ایک بات نہایت شدت سے ان کے متعلق سوجھے گی وہ زیادہ مکمل طور پر یہودی نظر آتے ہیں بہ نسبت خالص یہودیوں کے جن کو آپ کبھی دیکھ پائے ہوں۔ یہ اسلئے نہیں کہ وہ ایک لہراتا ہُوا چوغہ نما لباس پہنتے ہیں جو شکل و شباہت کے بارے میں آپ کے خیالات کے مطابق ہے۔ یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے اور کیا یہ حسنِ اتفاق ہے؟ —— کہ کشمیر میں ایک قومی روایت یہود کے ساتھ تعلق کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ اِس سرزمین میں بہت سالوں تک یہ افواہ پھیلی رہی کہ حقیقت میں (حضرت) مسیح کی وفات سُولی پر واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کو اس پر سے اُتار لیا گیا تھا اور گمشدہ (اسرائیلی) قبائل کی تلاش کی خاطر آپ (وہاں سے) غائب ہو گئے تھے۔ آپ کشمیر، لداخ اور تبت خورد گئے اور وفات پا کر سرینگر میں مدفون ہوئے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ کشمیری روایت میں ایک نبی کا ذکر ہے جو وہاں (کشمیر میں) آئے اور انہوں نے پہیلیوں کی زبان میں تعلیم دی جیسا کہ (حضرت) مسیح نے (اس رنگ میں) تعلیم دی تھی۔ یہ پہیلیاں چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں جو

اس وقت تک کشمیر میں بیان کی جاتی ہیں۔ قریب کے سالوں میں بعض سیاحوں کو (حضرت) مسیحؑ کے ان علاقوں میں قیام کے بارے میں بیان کے متعلق نشانات ملے ہیں۔ اس بیان کی ایک روایت میں ذکر ہوا ہے کہ آپ اپنی جوانی کے سالوں میں ـــــ یعنی اس عرصہ میں کہ جس کے متعلق بائیبل میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ آپ کہاں رہے تھے ـــــ بدھ راہبوں کے ساتھ عقیدہ تناسخ کے متعلق گفتگو اور بحث کرنے آئے تھے۔"

آپ کی آمد کس طرح ہوئی؟

یہ بات ریکارڈ میں ہے کہ بر فاقت اپنے شاگردوں کے یروشلم سے کوچ کر کے آپ پہاڑیوں کو عبور کر کے وہاں سے ساڑھے چار صد میل کے فاصلہ پر نصیبین یا نصیبس میں داخل ہوئے نصیبس سے ایک پہاڑی راستہ اختیار کر کے فارس اور افغانستان میں سے سفر کر کے آپ کشمیر کے علاقہ میں گلگت پہنچے۔ تبت، نیپال اور لدّاخ میں گمشدہ قبائل کی تلاش میں آپ نے بہت وسیع لمبے سفر کئے۔ ریکارڈ میں یہ امر بھی موجود ہے کہ آپ افغانستان کی طرف سے پنجاب میں داخل ہوئے اور بنارس کی سیر کرتے ہوئے آپ شمالی پہاڑی علاقہ کی طرف لوٹ آئے اور دوبارہ گلگت پہنچے اور بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ وقت وہاں گزار کر آپ لداخ کی طرف کوچ کر گئے۔

ایک روسی سیاح نکولس ناٹووچ کسی وقت ۱۸۸۷ء میں ہندوستان آیا اور لدّاخ گیا جہاں وہ بیمار پڑ گیا اور وہ مشہور ہیمس گمپا (گُمپا) میں ٹھہرا۔ اس گُمپا میں قیام کے دوران بدھ مذہب کی بہت سی مذہبی کتب اور لٹریچر کا اس نے مطالعہ کیا جس سے (حضرت) مسیحؑ کے دنیا کے اس حصہ میں آمد کے بارے میں بہت سی معلومات اُسے حاصل ہوئیں۔ اُس نے بدھ مذہبی کتب میں (حضرت) مسیحؑ، آپ کی تعلیمات اور آپ کی لدّاخ میں آمد کا ذکر بکثرت پایا۔ بعد میں اُس نے ایک کتاب "لائف آف سینٹ عیسیٰ" شائع کی جس میں اُس نے وہ سب معلومات درج کر دیں جو اُسے (حضرت) مسیحؑ کی لدّاخ اور مشرق کے دیگر ممالک میں آمد کے بارے میں حاصل ہوئی تھیں۔

یہ بات بھی ریکارڈ میں موجود ہے کہ (حضرت) مسیحؑ بلند و بالا پہاڑی دروں، پتھریلے راستوں اور برفانی پہاڑوں میں سے سفر کر کے لدّاخ سے کشمیر میں بمقام پہلگام تشریف لائے۔ پہلگام (یعنی چرواہوں کے گاؤں) میں ایک عرصہ دراز تک آپ کا قیام رہا۔ جس میں آپ اپنے ریوڑ کی نگہداشت کرتے رہے۔ یہی مقام ہے جہاں آپ کو اسرائیل کے گمشدہ قبائل کے کچھ نشانات ملے۔

یہ ریکارڈ میں ہے کہ یہ گاؤں پہلگام کے نام سے (حضرت) مسیحؑ کے وہاں قیام پذیر ہونے کے بعد موسوم ہوا تھا۔ کشمیری زبان میں "پہل" کے معنی "چرواہے" کے اور "گام" کے معنی "گاؤں" کے

ہیں۔ بعدازاں سرینگر جاتے ہوئے (حضرت) عیسیٰؑ نے عیس مقام (یا عِش مقام) پر آرام کیا اور وعظ بھی فرمایا۔ اور اس گاؤں (یعنی عیسیٰؑ کے آرام کرنے کے مقام) کا نام بھی آپ کے نام پر رکھا گیا۔ آپ اپنے شاگردوں اور پیروؤں کے ہمراہ سرینگر تشریف لے گئے اور عیس بر (یا عِش بر) کے مقام پر جو مشہور شالیمار باغ کے قریب واقع ہے آپ نے قیام کیا۔ راج ترنگنی[1] کے رُو سے اس مقام کا یہ نام بھی اس کے بعد رکھا گیا جب (حضرت) عیسیٰؑ وہاں ایک چشمہ کے قریب ٹھہرے۔ اور یہ چشمہ اب بھی موجود ہے اور مقامی آبادی کے ایک حصہ کے نزدیک یہ متبرک چشمہ خیال کیا جاتا ہے۔

یہ بات بھی ریکارڈ میں موجود ہے کہ (حضرت) مسیح قیام سرینگر کے دَوران "یوز آصف" جس کے معنے ہیں "یسوع اکٹھا کرنے والا" کے نام سے معروف تھے جماعت احمدیہ کے عقیدہ کے مطابق (حضرت) عیسیٰؑ نے ایک سَو دو سال کی عمر میں طبعی موت سے وفات پائی اور یہودی رسوم کے مطابق دو ضربل خانیار سرینگر میں مدفون ہوئے۔ کشمیری یہ مانتے ہیں کہ "یوز آصف" یا عیسیٰؑ کی قبر ایک شہزادہ یا نبی کی ہے جو کسی بیرونی ملک سے اُنیس سَو سال سے زیادہ عرصہ پہلے کشمیر میں وارد ہوئے تھے۔

سی۔ ایم۔ ازکویہ اپنی کتاب THE REALM OF THE GODS میں لکھتا ہے:۔

"آپ کے اپنی جوانی میں ہندوستان بھر میں گھومنے پھرنے اور بالآخر سُولی سے بچ کر (ہندوستان میں) واپس پہنچ جانے اور وفات پانے اور سرینگر میں مدفون ہونے کے بارے میں عجیب روایات موجود ہیں۔ میرے قیام سرینگر کے دَوران مجھے اس شہر کی بعض قبروں کے بارے میں عجیب روایات معلوم ہوئیں۔ ایک قبر ہے جو بتائی جاتی ہے کہ (حضرت) عیسیٰؑ کی ہے۔ بہت قدیم قبور اور کھنڈرات سے سرینگر بھرا پڑا ہے۔"

یہ قبر جو کہ خیال کی جاتی ہے کہ (حضرت) عیسیٰؑ کی ہے دیگر مقامی مسلمانوں کی قبور سے بالکل مختلف ہے اور اس کے پاؤں کا رُخ مکہ (مکرمہ) کی سمت میں ہے اور ایک کمرہ والے مکان میں ہے جو یہودی طرز پر تعمیر شدہ ہے اور یہودی طرز کے اس کے دریچے اور ایک دروازہ ہے۔ عبرانی زبان میں لوح قبر پر کچھ کندہ ہے لیکن گھس جانے کی وجہ سے بہت مدھم ہو گیا ہے اور اس کا پڑھا جانا بہت مشکل ہے۔

ایک نبی کا مزار

کشمیر میں مغل دورِ حکومت میں ایک مقامی مسلمان اس مزار کا محافظ مقرر کیا گیا تھا اور اس کی تقرری کے سرکاری دستاویز میں تحریر ہوا ہے کہ یہ قبر "یوز آصف" نبی کی ہے۔ کشمیر کی قدیم تاریخ میں بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ اس کے ایک رسولِ امن کی قبر ہونے کے بارے میں ___ جو نبی کہ اپنے گم شدہ قبائل کی تلاش میں کسی بیرونی سرزمین سے وارد ہوا تھا ___ بکثرت تذکرے

[1] "راج ترنگنی" کشمیر کی سب سے قدیم اور مستند تاریخ کی کتاب ہے۔

پائے جاتے ہیں۔

ایک فرانسیسی مصنف اپنی کتاب "THE SERPENT OF PARADISE" میں لکھتا ہے:۔

"کسی کو معلوم نہیں کہ اس (یعنی عیسیٰؑ) نے تیس سال کی عمر کو پہنچنے تک کیا کیا اور کہاں رہے جبکہ اس عمر کو پہنچنے پر آپ نے وعظ کرنے کا آغاز کیا۔ مگر ایک روایت کی رُو سے آپ (اس عرصہ میں) کشیر میں رہے تھے جو کشمیر کا ابتدائی نام ہے۔ کُ اور شیر کے معنی مانند سیریا (مثیلِ شام) کے ہیں۔ سنسکرت زبان سے نکلی ہوئی زبان شاردا کے قلمی مسودہ کے تذکرہ میں بائبل والے بیان سے بہت زیادہ مشابہت ہے۔ اس کشمیری روایت کی رُو سے (حضرت) عیسےٰؑ کشمیر میں تشریف لائے اور آپ نے نیک لوگوں سے تعلیم پائی جنہوں نے آپ کو پُراسرار نشانات سکھلائے"

"بعد ازاں (حضرت) عیسیٰؑ مشرقِ وسطیٰ کو لوٹ گئے اور وہی صوفیانہ صداقتیں جو آپ نے کشیر میں سیکھی تھیں اسرائیل کے جاہل عوام میں ان کا وعظ کرنا شروع کر دیا۔ ان کو متأثر کرنے اور ان کے تبدیلیٔ عقیدہ کے لئے آپ اکثر اُن قوتوں کا استعمال کرنے لگے جو آپ نے "یوگا" کی مشق سے حاصل کی تھیں اور انہی کا ذکر بطور معجزات کے آتا ہے۔ بعدہٗ آپ کو سُولی پر چڑھایا گیا لیکن سُولی پر اُن کی وفات واقع نہیں ہوئی بلکہ فرقۂ ایسین کے برادران آپ کو وہاں سے لے گئے۔ اور آپ اچھی طرح صحتیاب ہو گئے اور کشمیر کو واپس بھجوا دیئے گئے۔ جہاں آپ اپنی طبعی وفات تک مقیم رہے۔

"بعض شہادتوں کی رُو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کا منبع اسلامی ہے لیکن غالباً وہ اس سے بھی قدیم تر ہے۔ ازمنۂ قدیم میں ہندوستان اور مشرقِ وسطیٰ میں بکثرت آمدورفت جاری تھی اور بہت اغلب ہے کہ ہندوستان کے قصے اور مذہبی روایتیں صحراء عبور کر کے مقدس سرزمین (یروشلم) میں پہنچے ہوں۔ یقیناً ایک نجات دہندہ کو صلیب دیئے جانے کا قصہ بہت زیادہ قدیمی ہے اور تمام افرادِ انسانی کی مساوات کے تخیل کی (حضرت) بدھ نے پہلے ہی تلقین کی تھی۔ اور (حضرت) عیسیٰؑ کے ماہی گیروں میں وعظ و تلقین شروع کرنے سے طویل عرصہ پہلے یہ خیال راجہ اشوک کے ذریعہ کشمیر پہنچ چکا تھا۔

"اس قبر کے بارے میں جو سرینگر میں موجود ہے اور جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ قبرِ مسیحؑ ہے متعدد تحقیقات بھی ہوئی ہیں بے شک یہ ممکن ہے کہ یہ کسی مسلمان بزرگ یا صوفی کی قبر ہو کیونکہ ان قیاس آرائیوں میں حقیقۃً کوئی بات معین نہیں۔

"شام کا وقت تھا جب میں پہلی بار اس قبر پر پہنچا اور غروبِ آفتاب کی روشنی میں اس کوچہ کے مَردوں اور بچوں کے چہرے قریباً مقدس دکھائی دیتے تھے۔ وہ قدیم زمانوں کے لوگوں کے مشابہ نظر آتے تھے۔ شاید وہ اسرائیل کے اُن گمشدہ قبائل میں سے کسی سے تعلق رکھتے ہوں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان ہجرت

کہ آئے تھے۔ جوتے اتار کر میں داخل ہوا اور میں
نے ایک بہت قدیم قبر پائی جس کے ارد گرد
بوٹا کاری کی ہوئی پتھر کی دیوار لگی ہوئی ہے جو اس
کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کے ایک طرف ایک
پتھر میں کندہ ایک قدم کا نشان ہے۔ بیان کیا
جاتا ہے کہ یہ "یوز آصف" کے قدم کا نشان ہے۔
اس عمارت کی دیوار پر ایک عبارت کندہ ہے جس
کے نیچے زبان شار داسے انگریزی میں ترجمہ کی ہوئی
یہ عبارت ہے "یوز آصف (خانیار۔ سرینگر)"

"جب عورتیں (یعنی یروشلم والی) قبر (یعنی
قبر نما غار) کے پاس پہنچیں تو انہوں نے اُسے وہاں
موجود نہ پایا۔ (حضرت) عیسیٰؑ جا چکے تھے۔ شاید
کشمیر میں دوبارہ جی اُٹھے تھے۔ شاید اگر ہم کشمیر
والی اس قبر کو کھول پائیں تو ہم اسے بھی خالی پائیں گے
کیونکہ 'یوزا' ممکن ہے کسی اور جہان میں پھر شولی
پانے کے لئے جا چکا ہو۔ کیونکہ اس کا مقصد اس
جہان میں ناکام رہا تھا!"

[السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا (بمبئی۔ بھارت)
مورخہ ۲ را پریل ۱۹۷۲ء]

فِیْ حُبِّ اللّٰہِ

(جناب پروفیسر محمد عثمان صاحب صدیقی ایم۔ اے)

لِحُبِّ اللّٰہِ حِبِّیْ قَدْ ظَمِیْتُ
وَ اِیَّاہُ طَلَبْتُ فَقَطْ وَشِیْتُ
بِنَشْوَۃِ حُبِّہٖ اِنِّیْ عَمِیْتُ
اِلٰی اَنْ غَیْرَہٗ کُلًّا نَسِیْتُ
طَرِیْقَۃُ حُبِّہٖ وَعْثَاءُ فِیْہَا
مِرَارًا مَوْتَ نَفْسِیْ قَدْ لَقِیْتُ
صَلِیْتُ اَوَّلًا نِیْرَانَ عِشْقٍ
فَمِتُّ وَبَعْدَہٗ اَبَدًا حَیِیْتُ
وَمِنْ رَّأْسِیْ اِلٰی قَدَمَیَّ طُرًّا
رَمَانِیْ حُبُّہٗ حَتّٰی دُمِیْتُ
لِاُوْتَ مِنْ مَّحَبَّتِہٖ نَصِیْبًا
اِلٰی ذَرَّاتِ جِسْمِیْ قَدْ فَنِیْتُ
لَئِنْ مِّنْ حُبِّہٖ مُتِّعْتُ شَیْئًا
عَنِ الدُّنْیَا وَمَا فِیْہَا غَنِیْتُ
وَکَیْفَ اُحِبُّہٗ حُبًّا حَقِیْقًا
لَئِنْ مِّنْ حُبِّ دُنْیَایَ ابْتُلِیْتُ
بِحُبِّ اللّٰہِ جَنَّتَہٗ وَلِیْتُ
وَنِیْرَانَ الْجَحِیْمِ بِہٖ وُقِیْتُ
بِبَرْکَۃِ حُبِّہٖ جَلَوَاتِ حُسْنٍ
وَّاِحْسَانٍ وَّ اَنْوَارًا اُرِیْتُ
حُرِمْتُ لَوْ نَعِیْمَ الدَّھْرِ لٰکِنْ
مَّحَبَّتَہٗ تَکُنْ لِّیْ قَدْ رَضِیْتُ
بِاَحْمَدَ دُوْنَہٗ فِیْ کُلِّ خَلْقٍ
کَحُبِّ اللّٰہِ حُبًّا قَدْ نُھِیْتُ
جُعِلْتُ فِیْ فَنَاءٍ مِّثْلَ فَحْمٍ
لِاَنِّیْ فِیْ مَحَبَّتِہٖ صَلِیْتُ
جُنِنْتُ مِنْ مَّحَبَّتِہٖ اِلٰی اَنْ
لِحُبٍّ فِیْہِ مَجْنُوْنًا دُعِیْتُ ٭

چند ایمان افروز تبلیغی واقعات

(محترم جناب خان محمد عیسیٰ جان صاحب کوئٹہ کے قلم سے)

(۱)

۱۹۴۲ء میں اللہ تعالیٰ نے فضل فرما کر اپنے اس گنہگار بندے کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت بخشی۔ اُس وقت سے آج تک میرے بعض رشتہ دار اور دوست مجھے طعنے دیتے ہیں کہ تمہیں احمدیت سے کیا ملا؟ جہاں تک ان کی مادی نگاہ کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ مجھے احمدیت سے کچھ نہیں ملا بلکہ بظاہر میں نے بہت کچھ کھویا یعنی وہ خراب زندگی جو دولت کی فراوانی کے باعث عیش و عشرت میں کٹ رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔ میں اس پر خوش ہوں مگر رشتہ دار مجھے طعن کر رہے ہیں۔

میں نے کئی بار طعنے دینے والوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جب میرا دل مطمئن ہے اور میں اپنے آپ کو روحانی دولت سے مالا مال سمجھتا ہوں تو اس ظاہری دولت کو جو میرے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے کیوں خاطر میں لاؤں۔ مگر وہ ؏

دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

کہہ کر میری بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔

اے کاش وہ میرے دل کو چیر کر دیکھتے تو انکو معلوم ہو جاتا کہ باوجود غربت و افلاس کے میرا دل مسرّت و سکون کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ واللہ باللہ احمدیت سے مجھے وہ کچھ ملا جو دنیا کی تمام بادشاہتیں مل کر بھی نہیں دے سکتیں۔ میں بہت ہی نالائق تھا، دینی و دنیاوی علوم سے بالکل کورا تھا۔ مسلمان صرف نام کا تھا۔ اعمال پر شیطنت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ غرض میری علمی و عملی حالت بہت ابتر تھی۔

الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ کہ احمدیت نے مجھے صیقل کیا۔ حیوان سے انسان بنایا۔ علوم دینیہ سے میرے کند ذہن کو اجاگر کیا اور مذہبی دلائل و براہین کی دولت سے اس قدر متموّل بنایا کہ اب بڑے سے بڑا معاندِ اسلام یا مخالفِ احمدیت کیوں نہ ہو اس کا دلائل سے مقابلہ کرنے کے لئے کبھی دل میں تردّد پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ آج تک جس قدر دینی مقابلے یا مباحثے ہوئے اُن میں اللہ تعالیٰ نے سرخروئی عطا فرمائی۔ چند دلچسپ واقعات ناظرین الفرقان کی خدمت میں پیش ہیں:-

(۲)

میں بہاولپور کی ایک فرم میں ملازم تھا۔

اسی فرم میں احمدیت کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق ملی۔ احمدیت کو قبول کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ بڑی بڑی تکالیف اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یار دوستوں کے طعنے برداشت کرنے پڑتے ہیں اور بسا اوقات مالی و جانی نقصان کا بھی احتمال رہتا ہے۔ چنانچہ احمدیت قبول کرتے ہی میری مخالفت ہونی شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ مخالفت نے ایسی شدت پکڑی کہ مجھے لاچار فرم کی ملازمت کو خیرباد کہنا پڑا اور فوج میں جا کر بھرتی ہوا۔ چونکہ دوسری جنگ عظیم کا آغاز تھا اسلئے بھرتی ہونے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

باوجودیکہ میں بالکل نیا احمدی تھا اور دینی معلومات ادھوری تھیں لیکن پھر بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے لٹریچر نے میرے اندر تبلیغ کا ایک غیر معمولی جوش پیدا کر دیا تھا۔ فوجی کیمپوں میں جا جا کر ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کو اسلام کی تبلیغ اور غیر احمدیوں کو احمدیت کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ جدھر بیٹھتا اور جہاں جاتا تبلیغ کا جنون سر پر سوار رہتا۔

ایک دن ایک حوالدار صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے صوبیدار میجر صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ مذہبی مسائل سے ہم زیادہ واقفیت نہیں رکھتے اسلئے اگر تم ہمارے مسجد کے امام (دیوبند کے سند یافتہ) کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے کو تیار ہو تو ہم تمہاری باتیں سنیں گے۔ اگر تمہاری باتیں معقول ہوئیں تو ٹھیک ورنہ ہم تمہیں آئندہ تبلیغ کرنے سے روک دیں گے کیونکہ اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے بغیر تأمل کے ان کی اس شرط کو منظور کیا۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد صوبیدار میجر صاحب نے اپنی حویلی میں مباحثہ کا اہتمام کرا دیا۔ یونٹ کے تمام مسلمان فوجیوں کو وہاں آنے کی دعوت دی۔ جب میں دعا کرتا ہوا وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حویلی کے وسیع و عریض صحن میں بیسیوں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں اور ہر ایک چارپائی پر تین تین چار چار اور پانچ پانچ فوجی بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض حقہ پی رہے تھے بعض سگرٹ کا کش لگا رہے تھے اور بعض مصروف گفتگو تھے۔

میری چارپائی اور مولوی صاحب کی چارپائی برآمدے میں آمنے سامنے بچھی ہوئی تھیں اور درمیان میں چھوٹی سی میز تھی جس پر چند ضخیم کتابیں مجھے مرعوب کرنے کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ مولوی صاحب اس وقت تک پہنچے نہیں تھے اسلئے مجھے دل ہی دل میں مزید دعا کرنے کا موقع ملا۔ میں نے دعا کی کہ الٰہی! میں نیا احمدی ہوں۔ کچھ بھی نہیں جانتا۔ احمدیت کے صدقے میری نصرت فرما۔ اتنی دیر میں مولوی صاحب حویلی میں داخل ہوتے ہوئے نظر آئے۔ سرخ و سفید رنگ، سفید عمامہ سر پر، سفید لباس میں ملبوس، موٹی سوٹی پکڑی ہوئی، خراماں خراماں اپنی چارپائی کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ چارپائی پر بیٹھنے لگے تو میں نے تعظیماً کھڑے ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے توجہ کئے بغیر اور سلام کا جواب دیئے بغیر چارپائی

پر بیٹھنا مناسب سمجھا۔ چند لمحے تک سارے مجمع پر خاموشی طاری تھی۔ دفعتاً گرج کر مولوی صاحب مجھ سے یوں مخاطب ہوئے :۔

مولوی صاحب :۔ ہاں تو تم مرزائی ہو ؟

میں :۔ جی نہیں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی مسلمان ہوں۔

مولوی صاحب :۔ ہاں ہاں۔ یہ تمہارے لوگوں کی چال ہی ہے۔ اسی طرح تم بے علم اور سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دیتے ہو۔

میں :۔ نہیں۔ مولوی صاحب! ہمیں فریب دینے کی ضرورت کیا ہے ؟

مولوی صاحب :۔ اچھا تمہارا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقیدہ کیا ہے ؟

میں :۔ وہی جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

مولوی صاحب :۔ وہ کیا ہے ؟

میں :۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے۔ اپنی قوم یہودیوں کو پیغام حق پہنچا کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے جس طرح ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔

مولوی صاحب :۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ تم کفر بکتے ہو۔ وہ تو آسمان پر اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں :۔ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہوا ہے کہ وہ آسمان پر اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ بیٹھے ہیں ؟

مولوی صاحب :۔ تم سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانا خوب جانتے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں صاف لکھا ہوا ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔

میں :۔ اچھا مولوی صاحب! عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر واپس آنے کا بھی ذکر موجود ہے ؟

مولوی صاحب :۔ نہیں اس کا ذکر حدیثوں میں ہے۔

میں :۔ اچھا تو قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صرف آسمان پر چڑھنے کا ذکر ہے نازل ہونے کا نہیں۔

مولوی صاحب :۔ ہاں تم کو کیا اعتراض ہے ؟

میں :۔ اچھا مولوی صاحب! جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آئیں گے تو وہ قرآن مجید پڑھیں گے ؟

مولوی صاحب :۔ کیوں نہیں، وہ تو آئیں گے ہی قرآن مجید کی اشاعت کے لئے۔

میں :۔ کیا جب وہ آئیں گے تو قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ تو نہیں ہو گی ؟

مولوی صاحب :۔ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ قرآن مجید کی آیت منسوخ ہونے کا خیال ہی کفر ہے۔

میں :۔ اچھا مولوی صاحب! جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آئیں گے تو اُن کے آسمان پر چڑھنے والی آیت کہاں جائے گی ؟

مولوی صاحب :۔ اس سے تمہارا مطلب کیا ہے ؟

میں :۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور وہ قرآن مجید پڑھیں گے تو

اس میں لکھا ہوگا کہ وہ آسمان پر اللہ تعالے کے پاس ہیں مگر وہ ہوں گے زمین پر تو یہ آیت جس میں بتایا گیا ہے کہ وہ آسمان پر ہیں منسوخ ہوگی یا نہیں ؟

میرے مُنہ سے ابھی یہ فقرہ مکمل ہی نہیں ہوا تھا کہ معلوم نہیں مولوی صاحب کو کیا ہو گیا غیظ و غضب سے چہرہ سُرخ آگ کے انگارے کی طرح ہو گیا۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا اور ہونٹ تیزی سے حرکت کرنے لگے جس طرح سخت سردی میں ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔ ان کی یہ ڈراؤنی کیفیت دیکھ کر صوبیدار میجر صاحب کھڑے ہوئے اور حاضرین سے کہا۔ بھائیو! جوانو! آج مولوی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے یہ اجتماع کسی اور دن کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرکے وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔

(۳)

اس واقعہ کے بعد مجھے رنگون (برما) جانے کا آرڈر ملا۔ ان دنوں جاپانی فوج رنگون پر چڑھائی کر رہی تھی اور بمباری سے رنگون کی اینٹ سے اینٹ بجا رہی تھی۔ جاتے ہوئے جب میں کلکتہ پہنچا تو دفتر میں میری ضرورت پڑی۔ چنانچہ ایک مہینہ تک مجھے وہاں روک لیا گیا۔ اس اثناء میں جاپانیوں کو شکست ہونی شروع ہوئی۔ جب دفتر کا کام ختم ہونے کے بعد مجھے ہوائی جہاز سے رنگون بھجوایا گیا تو اسوقت رنگون جاپانیوں سے خالی ہو چکا تھا مگر بالکل تباہ حال اور ویران تھا۔ مجھے وہاں چھ مہینے رہنا پڑا۔ اس اثناء میں ایک احمدی صوبیدار میجر صاحب سے متعارف ہوا۔ ان کے کمپنی کمانڈر صاحب انگریز میجر تھے جو اسلامی تعلیم سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کو اسلام کے متعلق چند اعتراضات تھے جو اسلام قبول کرنے میں روک بنے ہوئے تھے۔ ایک دن صوبیدار میجر صاحب نے ہم دونوں کو اپنی جگہ پر چائے کی دعوت دی۔ چائے کے دوران میں نے انگریز میجر صاحب سے کہا۔

میں :۔ جناب! میں نے سنا ہے کہ آپ کو اسلامی تعلیم سے کافی دلچسپی ہے ؟

میجر صاحب :۔ ہاں میں نے اس کا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ مجموعی طور پر بہت اچھی تعلیم ہے۔ مگر بعض اعتراضات ہیں جو اس کی خوبصورتی پر دھبہ ہیں۔

میں :۔ جناب! کیا میں معلوم کر سکتا ہوں وہ کونسے اعتراضات ہیں ؟

میجر صاحب :۔ تعدد ازدواج۔ ایک سے زائد بیویاں کرنا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

میں :۔ بس یہی اعتراض ہے ؟

میجر صاحب :۔ نہیں اور بھی ہے اور وہ ختنہ کرانا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

میں :۔ اور بھی ہے ؟

میجر صاحب :۔ فی الحال یہی دو اعتراضات ہیں۔

میں :۔ کیا آپ عیسائی ہیں ؟

میجر صاحب:۔ کیوں تمہیں میرے مسیحی ہونے پر شک ہے؟

مَیں:۔ یقیناً شک ہے۔ کیونکہ آپ اسلام پر نہیں بلکہ مسیحیت پر اعتراض کر رہے ہیں۔

میجر صاحب:۔ (حیرت سے) وہ کس طرح؟

مَیں:۔ آپ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو اپنے زمانہ کے مصلح اور نبی مانتے ہیں

میجر صاحب:۔ یقیناً مانتا ہوں۔

مَیں:۔ آپ کو معلوم ہے کہ بائیبل میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی پچاس اور حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ یہ تعداد یقیناً چار سے بہت زیادہ ہے۔ اگر وہ عمل قابلِ اعتراض نہیں تھا تو چار بیویوں کا قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دوم اسلام نے ایک سے چار تک بیویاں کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ضرورت کے وقت علاج کے طور پر صرف اس کی اجازت دی ہے۔

میجر صاحب:۔ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اعتراض غور نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔

مَیں:۔ باقی رہا ختنہ کرانا۔ یہ بھی بائیبل کی تعلیم کی رُو سے نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا نہ کرانا گناہ ہے۔ چنانچہ خود یسوع مسیح جن کو آپ خدا اور خدا کے بیٹے تسلیم کرتے ہیں ان کا ختنہ ہوا تھا۔ اگر یہ ایسی ہی بُری چیز ہوتی تو یسوع مسیح اس کے خلاف ضرور آواز اُٹھاتے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع مسیح کے شاگرد متی اور یوحنا نے بھی اس کے خلاف کوئی تعلیم نہیں دی۔ لوقا اور مرقس بھی خاموش ہیں۔ پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ ابراہیمی عہد ہے۔ اس کی خلاف ورزی گناہ ہے۔

میجر صاحب:۔ یہ ٹھیک ہے مگر پولوس رسول نے اس کو منع قرار دیا ہے۔

مَیں:۔ جناب! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پولوس رسول یسوع مسیح کے جانی دشمن تھے اور جتنی تکلیف انہوں نے یسوع مسیح کو دی کسی نے بھی نہیں دی۔ بعد میں اگر ایک خواب کی بناء پر وہ مسیحی بنا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی تعلیم یسوع مسیح کی تعلیم کی نسبت زیادہ قابلِ عمل ہو سکتی ہے۔

میجر صاحب:۔ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب مَیں جب واپس وطن انگلینڈ جاؤں گا۔ نئے نقطۂ نگاہ سے اسلام کا مطالعہ کروں گا اور امید ہے مجھے یہ تعلیم ہر پہلو سے پسند آئے گی۔

(۴)

جنگ ختم ہونے کے بعد مجھے کوئٹہ آنا پڑا۔ یہاں پر بہائی عالم ڈاکٹر ہمدانی صاحب کے ساتھ روزانہ مذہبی بحث ہوتی تھی۔ ایک دن اُن کی قیامگاہ پر گیا تو ان کو وہاں نہ پا کر واپس آنے لگا تھا کہ دروازے پر ایک ایرانی خاتون کھڑی تھی اُس نے مجھ سے فارسی میں کہا کس سے ملنے آئے ہو؟ مَیں نے

بتایا ڈاکٹر صمدانی صاحب سے۔ کہنے لگی وہ اندر ایک کمرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے پاس ایک مہمان بھی ہیں۔ آپ اندر جا کر اُن سے ملیئے۔ چنانچہ مَیں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کمرے کے اندر دیوار کے ساتھ ساتھ ایک سرے سے دوسرے سرے تک نوجوان ایرانی لڑکیاں سکرٹین پہنے ہوئے، بال تراشے ہوئے، دست بستہ کھڑی تھیں۔ پہلے تو مَیں سخت گھبرا گیا کہ کہیں غلط جگہ پر نہ پہنچا ہوں مگر دفعتاً میری نظر کمرے کے اندر جو پڑی تو ڈاکٹر صمدانی صاحب کو ایک شخص کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔ میری جان میں جان آگئی اور مَیں نے ڈاکٹر صاحب سے فوراً اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے مجھے اجازت تو دی مگر نہایت رُوکھے پن سے کیونکہ اس وقت وہاں جانا اُن کے لئے ناگوار تھا۔ مَیں فوراً اندر گیا اور ان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ابھی مَیں بیٹھا ہی تھا کہ انہوں نے کہا خان صاحب! آج ہمارا اور تمہارا فیصلہ ہے۔ مَیں نے کہا کیسے؟ کہنے لگے کیا تم حدیث "کیف تھلک اُمّۃ انا فی اوّلھا والمسیح فی آخرھا" مانتے ہو؟ مَیں نے کہا جی ہاں دل و جان سے مانتا ہوں۔ پھر انہوں نے میرے سامنے ایک کتاب رکھی اور کہا اس کا شروع کونسا ہے اور آخر کونسا؟ مَیں نے بتا دیا۔ کہنے لگے پھر تو اس حدیث کی رُو سے جناب بہاء اللہ کا دعویٰ مسلّم ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ مَیں نے کہا وہ کس طرح؟ کہنے لگے حدیث بتاتی ہے کہ مسیح موعود کو اس اُمّت کے آخر میں آنا چاہیئے یعنی جب یہ اُمّت ختم ہو جائے گی تب وہ آئے گا اور یہ اس صورت میں ہو گا کہ وہ آ کر ایک نئی اُمّت کی بنیاد ڈالے گا۔ اور شریعتِ محمدیہ کو منسوخ قرار دے گا۔ چونکہ بہاء اللہ صاحب نے ایسا ہی کیا اسلئے وہ سچے ہیں۔ مَیں نے کہا جناب ڈاکٹر صمدانی صاحب! اس سے پیشتر مَیں سمجھتا تھا کہ آپ کچھ جانتے ہیں مگر آپ کے اس استدلال سے میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اوّلاً جناب بہاء اللہ صاحب نے مسیحیت کا دعویٰ کیا ہی نہیں۔ ثانیاً آپ نے حدیث کے الفاظ پر غور ہی نہیں کیا۔ اس میں تو لکھا ہے کیف تھلک یعنی یہ اُمّت ہلاک ہی نہیں ہو گی اور آپ کہتے ہیں کہ اس کے ہلاک ہونے کے بعد مسیح موعود آئیں گے۔ میرے اس جواب پر وہ سخت خشمگیں ہوئے اور کہا کہ خان صاحب! تم پٹھان ہو، تمہاری عقل موٹی ہے، تم باریک باتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ میرا وقت ضائع نہ کرو۔ مہربانی کر کے چلے جاؤ اور آئندہ یہاں نہ آؤ۔ مَیں اُٹھ کر باہر چلا گیا اور ابھی مَیں چالیس گز ہی چلا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی "بھائی جان کھلو جا"۔ مَیں نے پیچھے مُڑ کر جو دیکھا تو وہی شخص تھا جو ڈاکٹر صمدانی کے ساتھ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مَیں ٹھہر گیا۔ وہ آئے اور مجھ سے بغلگیر ہوئے اور کہا خدا تیرا بھلا کرے۔ یہ تو مجھے بتا رہے تھے کہ یہ مسلمان ہیں اور اسلام کی خدمت کرتے ہیں مگر تمہاری باتوں سے

مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ تو اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تُو نہ آیا ہوتا تو مَیں ان کے دام میں بُری طرح پھنس گیا ہوتا۔

(۵)

ایک دن میں اپنے ایک عزیز کو ملنے چھاؤنی گیا تھا۔ یہ فوج میں میجر تھے۔ اُن کی عادت تھی جب بھی مَیں وہاں جاتا تو وہ مذہبی بحث چھیڑنے کے لئے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتے۔ چنانچہ اُس دن انہوں نے ملکہ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ چھیڑا۔ کہنے لگے نبی کی یہ شان نہیں کہ قومی دولت کو محض ایک عورت کی پنڈلی دیکھنے کے لئے اس طرح بے دردی سے تخت اور حوض بنانے پر خرچ کرے۔ مَیں نے کہا ہم دوسروں کی تفسیروں کے ذمہ وار نہیں۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے جو تفسیر کی ہے وہ مَیں آپ کو سُناتا ہوں اِس پر اگر آپ کو اعتراض ہو تو بتا دیں۔ چنانچہ مَیں نے اختصار کے ساتھ وہ تفسیر بتا دی۔ اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ تفسیر نہایت عمدہ اور اعتراض سے پاک ہے۔ اِسی دَوران اُن کے ملنے والے ایک کرنل صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ بھی وہیں آ گئے۔ اُن کو جب معلوم ہوا کہ مَیں احمدی ہوں تو کہنے لگے عیسٰی جان! جب محبت دل میں ہوتی ہے تو پھر کرسی پر بیٹھے ہوئے اور چارپائی پر لیٹے ہوئے بھی ہم اللہ تعالیٰ کو یاد کر سکتے ہیں سردیوں میں وضو کر کے مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے نہ صرف جسمانی تکلیف ہوتی ہے بلکہ ہمارے عزیز وقت کا ضیاع بھی ہے کیوں عیسٰی جان یہ ٹھیک ہے نا؟ مَیں نے کہا اِس کا جواب آپ کی بیگم صاحبہ دیں گی۔ اس پر بیگم صاحبہ چوکنا ہو گئیں۔ مَیں نے کہا بیگم صاحبہ! اگر آپ کے یہ شوہر آپ سے محبت کا دم بھرتے ہوئے آپ سے کہتے رہیں کہ میری جان! مجھے آپ سے بے انتہا محبت ہے' آپ کی محبت، دل میں میخ کی طرح گڑی ہوئی ہے' مَیں آپ پر فدا ہوں' آپ کے بغیر میرا جینا محال ہے مگر ان کی عملی حالت یہ ہو کہ نہ وہ آپکی روزمرہ ضروریات کو پورا کریں' نہ آپ کے پاس آئیں' نہ آپ کی صحت کی خبر لیں اور نہ آپ کی فرمائش کی پرواہ کریں تو کیا آپ ان کے اس دعویٰ محبت پر یقین کریں گی؟ فوراً کہنے لگیں۔ کیا مَیں پاگل ہوں کہ ایسی حالت میں یقین کر لوں۔ مَیں نے کہا لیجئے کرنل صاحب! آپ ایک عورت کو فریب نہیں دے سکتے تو اپنے مالک خالق کو کس طرح فریب دیں گے؟ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی ہر ایک بات مان لی جائے محض زبانی لاف وگزاف سے کوئی محبوب خوش نہیں ہوتا۔ جب ان سے جواب بن نہ آیا تو کہنے لگے کہ تم اپنے امام کو دُعا کے لئے لکھنا میری کچھ مشکلات ہیں وہ دُور ہو جائیں تو مَیں احمدی ہو جاؤں گا۔

(۶)

کوئٹہ میں تین امریکن پادری آئے ہوئے تھے یہ میرے پاس اکثر آتے جاتے تھے اور مَیں ان کے

پاس جایا کرتا تھا۔ یہ مجھے عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے اور میں اسلام کے متعلق ان کے شکوک اور اعتراضات کو دور کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنی ایک تقریر سننے کے لئے اپنی قیام گاہ پر مجھے دعوت دی۔ موضوع تھا "تمام مذاہب میں مسیحیت ہی سچا مذہب ہے" میں وہاں گیا۔ میرے ساتھ برادرم خالد محمود بھٹی بھی تھے جو ان دنوں آرڈیننس ڈپو میں وارنٹ آفیسر تھے۔ جس کمرے میں تقریر ہونی تھی وہ کافی بڑا کمرہ تھا اور اس میں مرد و زن تقریباً چالیس افراد موجود تھے۔ تقریر کے دوران پادری صاحب نے کہا کہ آج کل دنیا میں مسیحی قوم کو عروج حاصل ہے، تمام اقوام سے متمول ترین قوم ہے، دنیا کے تین چوتھائی پر حکمران ہے، ان کے ملک خوبصورت اور قدرتی معدنیات سے بھرپور ہیں، ان کی اتنی وسیع سلطنت ہے کہ اس پر سورج غروب نہیں ہوتا اور یہ سب کچھ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ان کا مذہب خداوند کو مقبول ہے اسلئے ہمارا یہ دعویٰ کہ مسیحیت ہی سچا مذہب ہے مطلقاً نہیں بلکہ مبنی برحق ہے۔

جب پادری صاحب اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تو میں نے کھڑے ہو کر صدر صاحب سے پانچ منٹ بولنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ سامعین کافی دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں اسلئے وہ چلے جائیں اور جو کچھ تم نے کہنا ہے وہ ہم سے آ کر کہو۔ چنانچہ سامعین اٹھ کر چلے گئے صرف ریلوے کے ایک بڑے افسر صاحب جو میرے پاس تقریر کے دوران بیٹھے ہوئے تھے ہماری باتیں سننے کے لئے رک گئے۔ ہم سارے ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں میں نے پادری صاحب سے جنہوں نے تقریر کی تھی کہا کہ آپ نے مسیحیت کی صداقت میں جو دلیل دی ہے وہ انجیل کی تعلیم کے رُو سے آپ کے منشاء کے خلاف پڑتی ہے۔ انجیل میں لکھا ہے:-

"اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے
گزر جانا اس سے آسان ہے کہ
دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل
ہو" (مرقس ۱۰/۲۵)

آپ نے دولتمندی کو مسیحیت کی صداقت کی دلیل بتایا ہے۔ اس پر وہ سارے خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے کہا اگر آپ نے مسیحیت کو سچا مذہب ثابت کرنا تھا تو آپ انجیل کی یہ دلیل پیش کرتے:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر
ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا
ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے
بھی بڑا کام کرے گا" (یوحنا ۱۴/۱۲)

اور یسوع کے کام کے متعلق لکھا ہے:-

"یسوع نے اتنے کام کئے کہ اگر
الگ الگ لکھا جائے تو وہ ساری
دنیا کی کتابوں میں سما نہ سکے"
(یوحنا ۲۱/۲۵)

اس پر وہ فوراً کہنے لگے مسٹر علی جان! تم کو غلطی

لگی ہے یہ عبارت انجیل میں نہیں ہے۔ میں نے استعجاب سے کہا کہ آپ لوگ ہزاروں میل کا سفر طے کرکے ہمیں مسیحی بنانے آئے ہیں مگر افسوس اپنی تعلیم سے بھی بے خبر ہیں۔ چنانچہ ان کو جب حوالہ بتایا گیا تو وہ شرمندہ ہو کر کہنے لگے کہ ٹھیک ہے مگر اس کا مفہوم کچھ اور ہے ہم غور کرنے کے بعد بتائیں گے۔ اس کے بعد اُن کا پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گئے۔

اِن واقعات کے پیشِ نظر اب میں اپنے اُن کرم فرماؤں کی خدمت میں جو مجھے طعنے دیتے ہیں کہ تمہیں احمدیت سے کیا ملا؟ التماس کروں گا کہ لِلّٰہ بتائیں کہ اس روحانی دولت کے مقابلہ میں جو احمدیت کے طفیل مجھے ملی ہے اُن کی ظاہری دولت کیا حیثیت رکھتی ہے؟

اقتباس

مفتی محمود شراب خانے میں

"پیپلز پارٹی کے ترجمان مقامی معاصر کی خبر ہے کہ راولپنڈی میں ٹیلیفون آفس کے سامنے شراب کی جو دکان "فیسن اینڈ کمپنی" کے نام سے واقع ہے صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ مفتی محمود نے ۱۶ر مارچ کی شام کو کہ سفر کی دس تاریخ تھی اس میں قدم رنجہ فرمایا اور دس منٹ تک دکان کے اندر رہے۔ مفتی محمود عالم دین ہیں شراب کے دشمن ہیں انہوں نے سرحد کا وزیر اعلیٰ بنتے ہی صوبہ میں شراب بند کر دی تھی اسلئے ان کا شراب کی دکان میں داخل ہونا اور دس منٹ تک ٹھہرے رہنا اگر یار لوگوں میں چہ میگوئیوں کا باعث ہے تو کوئی تعجب بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی دشمنانِ شراب کے بارے میں لوگوں نے چہ میگوئیاں کی ہیں بلکہ دُور دُور کی کوڑی لائے ہیں مثلاً غالب ؎

کہاں مے خانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے!

یہ تو صرف دروازہ کی بات ہے ایک شاعر نے اس سے بھی آگے بڑھ کے قدم مارا ہے ؎

پہلے تو آکے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر ✤ پھر سر جھکا کے داخلِ میخانہ ہوگیا

اور آخری شعر زیادہ حسب حال ہے کیونکہ شراب خانہ پر پہلے مفتی صاحب کی کار رُکی پھر ڈرائیور نے کچھ ماحول کا جائزہ لیا اور اسکے بعد مفتی صاحب آنکھ بچا کر داخل ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مفتی صاحب کا عذر یہ تھا کہ وہ تو وہاں سے کسی دوست کو ٹیلیفون کرنے گئے تھے لیکن یار لوگوں نے اسے عذرِ لنگ بھی نہیں بلکہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ سمجھا کیونکہ ٹیلیفون ہی کرنا تھا تو شراب خانہ کے ساتھ ہی ٹیلیفون آفس تھا یہ ضرورت وہاں سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ بہرحال خبر بہت دلچسپ ہے اور ایسی ہی

ایک خبر کے بارے میں اکبر الہ آبادی فرما چکے ہیں ؎

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

خدا کرے خبر غلط ہو لیکن اب جو مومنوں کلی کو ٹھوں چڑھی والا معاملہ ہے۔ تو غلط ہونے کے باوجود بھی لوگ کیا یقین کرلیں گے؟ اور یقین کیوں کریں گے؟ مفتی صاحب غم زدہ انسان ہیں۔ انکا غم بھی بہت شدید ہے۔ لوگ شراب پیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو صرف غم غلط کرنے کی بات ہے ... لیکن مفتی صاحب کا غم تو ایسا ہے کہ وہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ وزارتِ اعلیٰ کی مسند سے محرومی کوئی تھوڑے سے غم کا باعث تو نہیں ہوتی۔ یہ غم تو وہ غم ہے کہ جی کے ساتھ ہے اور آدمی ایسے ہی غم کی شدت میں جی سے گزر جانا چاہتا ہے۔"

[illegible]

ماہر قانون دان محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ مرحوم کو خراج عقیدت

محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور و سابق جج ہائی کورٹ پنجاب یکم اپریل ۱۹۷۳ء کو رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت شیخ صاحب بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ دیندار اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ ذہانت و فراست میں بلند مرتبہ پر تھے۔ موصی بھی تھے۔ ان کا جنازہ ربوہ لایا گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور قبر کے مکمل ہونے پر دعا بھی فرمائی۔ محترم جناب شیخ صاحب مرحوم کو قطعہ خاص بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے جو خراج عقیدت مرحوم شیخ صاحب کو ادا کیا گیا وہ روزنامہ مشرق لاہور میں بایں الفاظ شائع ہوا ہے:۔

"لاہور ۳ اپریل (سٹاف رپورٹر)۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس سردار محمد اقبال نے ہائی کورٹ کے سابق جج شیخ بشیر احمد کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی وفات سے پاکستان ایک ماہر قانون دان سے محروم ہو گیا ہے مرحوم بے پناہ صلاحیتوں کے مالک، مشفق اور فراخدل انسان تھے۔ یہ بات انہوں نے آج فل کورٹ ریفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہی۔ یہ ریفرنس مرحوم کی تعزیت کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔

مسٹر جسٹس سردار محمد اقبال نے کہا ہے کہ شیخ بشیر احمد کا شمار ملک کے ممتاز ترین قانون دانوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ۱۹۲۵ء میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد لاہور ہی میں وکالت شروع کی اور جلد ہی اس پیشہ میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ انہوں نے سال ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں مڈلٹن کمیشن کے روبرو مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ یہ کمیشن کشمیری مسلمانوں کے قتل عام کی تحقیقات کے سلسلہ میں قائم کیا گیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں شیخ بشیر احمد لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ عدالتوں میں اتنی عمدگی سے دلائل پیش کرتے تھے کہ عدالتیں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتیں۔ دلائل پیش کرتے وقت وہ غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ۱۹۵۹ء میں انہیں ہائی کورٹ کا جج مقرر کر دیا گیا۔ تین سال تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے۔ وہ بار کے ارکان کے لئے درخشندہ مثال تھے۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم کے اہل خاندان کو ان کی موت سے بے پناہ نقصان پہنچا ہے۔ خدا انہیں اس نقصان کو برداشت کرنے کی توفیق دے اور مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

ایڈووکیٹ جنرل میاں بدیع الزمان نے مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ شیخ بشیر احمد اگرچہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۲ء تک صرف تین سال کے لئے ہائی کورٹ کے جج رہے تاہم انہوں نے اپنے وسیع علم کی وجہ سے عدلیہ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ انہیں اصولِ انصاف پر غیر معمولی عبور حاصل تھا لیکن سب سے بڑھ کر انصاف کرنے کا غیر متزلزل عزم اُن کی شخصیت کا نمایاں حصہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم نے مختصر مدت میں نظامِ عدل میں جو کردار ادا کیا ہے اس کو ان کی مدت ملازمت کے پیمانے سے نہیں ناپا جا سکتا۔ ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ مرحوم اس صدی کے اوائل میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ گوجرانوالہ نے متعدد ممتاز سکالروں، منتظموں، قانون دانوں اور ججوں کو جنم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم اپنے عقائد کے مطابق مذہبی اور پاکیزہ انسان تھے اور مشرقی روایات کے حامل تھے۔ ان کی وفات سے قانون کے پیشہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ خدا انہیں غریقِ رحمت کرے اور ان کے سوگوار اہلِ خاندان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔"

(مشرق لاہور ۴ اپریل ۱۹۷۳ء)

الفرقان کی توسیع اشاعت میں ادارہ الفرقان سے تعاون کیجئے! (مینیجر)

ایک اہم اقتباس

اعلیٰ عدالتوں میں مسلمان کی تعریف

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ایڈووکیٹ کراچی کے مضمون سے:-

"جسٹس سر امیر علی کی کتاب جامع الاحکام فی فقہ الاسلام میں مسلمان کی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے کہ ہر وہ شخص جو خدا کی وحدانیت اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رسالت کا اقرار کرتا ہو مسلمان ہے۔ یہ تعریف ہند و پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے متعدد فیصلوں میں پسند کی گئی ہے۔ چنانچہ عدالتِ عالیہ سندھ و بلوچستان کے جج مسٹر جسٹس امداد علی آغا نے بھی ایک حالیہ مقدمہ مسز عائشہ قریشی بنام حشمت اللہ میں (مندرجہ پی۔ ایل۔ ڈی۔ کراچی شمارہ دسمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۹۵۵) لکھا ہے کہ "مسلمان ہو جانے کے لئے اسلام کی تمام مستند کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اگر ایک شخص اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رسول ہونا مانتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔" مسلمان کی یہی تعریف ۱۹۵۹ء میں جج عدالتِ عالیہ مغربی پاکستان جناب جسٹس محمود صاحب نے بمقدمہ عطیہ وارث بنام سلطان احمد خان (مندرجہ پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۵۹ء لاہور صفحہ ۲۰۵ و صفحہ ۲۰۹) کی تھی۔"

(رسالہ الحق اکوڑہ خٹک مارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۷-۲۸)

حیاۃ ابی العطاء

میری زندگی کے چند منتشر واقعات

ذیل میں تازہ کتاب تاریخ احمدیت جموں وکشمیر کے مصنف جناب مولوی اسد اللہ صاحب الکاشمیری کے الفاظ میں ایک دو واقعات پڑھیں۔ لکھتے ہیں:-

ایک پادری صاحب کا قبول اسلام

(۱) ۵ وفا (جولائی ۱۹۴۲ء) نظارت دعوۃ وتبلیغ کی ہدایت کے مطابق مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کشمیر میں تبلیغ کے لئے مقرر ہوئے اور ۲۹ تبوک (ستمبر ۱۹۴۲ء) تک وہاں تبلیغ کی۔ اِس دوران میں سرینگر کے ایک رسالہ "مسلم" نے افسوس کے ساتھ یہ خبر شائع کی کہ اسلام آباد میں ایک پادری اشتہار تقسیم کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور کوئی مولوی اس کے جواب کی طرف توجہ نہیں کر رہا۔ مولانا ابو العطاء صاحب نے "پادریوں کے نام کھلی دعوت اور مسلمانان کشمیر سے درخواست" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں پادریوں سے چند سوالات کے علاوہ انہیں عام دعوت بھی دی کہ اسلام اور عیسائیت کے مسائل میں فیصلہ کر لیں اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ جہاں کہیں پادری صاحبان گفتگو کرنا چاہیں ہمیں اطلاع دی جائے ہم وہاں گفتگو کے لئے پہنچ جائیں گے۔ پادری صاحب کے پاس یہ اشتہار پہنچائے گئے لیکن انہوں نے گفتگو کرنے سے معذرت کی مگر تحقیقات کرتے رہے اور بعد میں پادری صاحب حق کو پا گئے اور مسلمان ہو گئے۔ (۲) مولوی محمد عبد اللہ صاحب وکیل غیر مبائع سے بہائی بن کر بہائیت کا پروپیگنڈا کر رہے تھے اسلئے مولانا ابو العطاء صاحب موصوف نے اُن کے مقابلہ میں بھی ایک اشتہار "قرآن مجید زندہ کتاب اور غیر منسوخ شریعت ہے" کے عنوان سے شائع کیا جس میں اہل بہاء کو کھلی دعوت دی کہ وہ ہم سے قرآنی شریعت کے نسخ اور عدم نسخ پر فیصلہ کن طور پر تحریری و تقریری مناظرہ کر لیں۔ مولانا موصوف نے خواجہ غلام نبی صاحب کے مکان پر بہائیت اور قرآن کے دائمی شریعت کے موضوع پر دو تقریریں بھی کیں۔ مولوی محمد عبد اللہ صاحب وکیل سے خط و کتابت شروع ہوئی مگر مولوی صاحب نے تحریری و تقریری مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے مولوی محمد عبد اللہ صاحب وکیل کو لکھا کہ دوسرا موضوع گفتگو یہ مقرر کر لیں کہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ کے معیار کی رُو سے کون سچا ثابت ہوتا ہے جناب بہاء اللہ یا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام۔ اِس اثناء میں بہائی مبلغ مولوی محفوظ الحق علمی اور بختیاری صاحب بھی سرینگر پہنچ گئے اور ۲۵ راگست تک سرینگر میں دفتر بہائی کھولنے کا اعلان کر دیا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے مباحثہ کرنے سے نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے ایک دوسرا اشتہار بہائیوں

۱۔ [illegible]

کے نام کھلا چیلنج" شائع کیا جس میں مولوی علی صاحب کو خصوصیت سے نسخِ قرآن نیز بہاء اللہ کے دعویٰ الوہیت بحث کی دعوت دی۔ مگر بہائیوں نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے سولہ صفحات کا ایک ٹریکٹ "قرآنی معیار وَلَوْ تَقَوَّلَ کے مطابق کون سچا ثابت ہوتا ہے بہاء اللہ ایرانی یا حضرت احمد قادیانی ؟" طبع کرا کر ۲۵ راگست کو بہائی دفتر کے بند ہوتے وقت وہاں تقسیم کر دیا اور دیگر مقامات پر بھی تقسیم کرایا گیا۔ مولانا ابو العطاء صاحب موصوف بہائیوں کے دفتر میں بھی جاتے رہے اور وہاں اُن سے گفتگو کرتے رہے۔ اِن گفتگوؤں میں بھی لوگ کثرت سے شریک ہوئے۔ اِن گفتگوؤں اور سوال وجواب اور طرفین کی تقاریر کے مواقع پر جبکہ بہائی موقف کی کمزوری ظاہر ہوتی تھی احمدی مبلغ بہائی مبلغین اور حاضرین کو احمدیت کو قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے[1]۔

(۲) ۱۹۴۳ء جلسہ تبلیغ کے موقع پر ایک اور اشتہار "مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل" کے نام سے شائع کیا گیا جسے احباب جماعت نے جگہ جگہ تقسیم کیا۔ مقامی اہلحدیثوں کے مولوی مبارک علی شاہ صاحب نے رسالہ "مسلم" میں اعلان کیا کہ وہ احمدیوں سے "حیات و وفاتِ مسیح" کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مولانا ابو العطاء صاحب نے اس چیلنج کو منظور کر لیا اور اخبار فاروق میں منظوری کا اعلان شائع کرا دیا اور فاروق کا ایک پرچہ بذریعہ ڈاک مولوی مبارک علی شاہ صاحب کو بھیج دیا۔ اِس پر باہمی خط و کتابت شروع ہو گئی۔ اصولی شرائط کا تصفیہ ہو گیا مگر آخر میں اہلحدیثوں نے اِس شرط پر اصرار شروع کر دیا کہ ہم تب تک مباحثہ نہ کریں گے جب تک غیر مسلم ثالث نہ مانا جائے۔ اہلحدیثوں کو سمجھایا گیا کہ جب اُن کے نزدیک بڑے بڑے صحابہ اور امام اعظم تک کا قول شرعی حجت نہیں تو ایک غیر مسلم کا قول کیسے حجت مانیں گے؟ مگر انہوں نے پہلے موقف پر ہی اصرار کیا۔ اِس پر مولانا صاحب موصوف خود مبارک علی شاہ صاحب سے جا کر ملے اور اُن سے گفتگو کی اور اُن پر واضح کیا کہ مذہبی اصول کے اعتبار سے دینی عقائد کے تصفیہ کے لئے غیر مسلم ثالث نہیں ہو سکتا اِسلئے غیر مسلم ثالث پر اصرار نہ کیا جائے۔ دو چار دن بعد اہلحدیثوں نے غیر مسلم ثالث نہ ماننے کو مولانا ابو العطاء صاحب کا فرار قرار دیکر اشتہار شائع کر دیا۔ جس کے جواب میں مولانا ابو العطاء صاحب نے اشتہار شائع کیا کہ جماعت احمدیہ مناظرہ کرنے کیلئے بالکل تیار ہے اور جا بجا اشتہارات سری نگر میں دیواروں پر چسپاں کر دیئے گئے اور بیرونی جماعتوں کو بھی بھجوا دیئے گئے۔ اشتہارات میں وضاحت کر دی گئی کہ جماعت احمدیہ غیر مسلم کو ثالث کیوں قرار نہیں دے سکتی اور یہ کہ غیر مسلم کو ثالث قرار دینے پر اصرار کرنا ایک مسلمان کے لئے مذہبی لحاظ سے کس قدر بے جا اصرار اور نامناسب ہے۔ اس کے بعد خط و کتابت بھی اہلحدیثوں سے کی گئی مگر اہلحدیث اپنی ضد پر اڑے رہے جس کی وجہ سے مباحثہ نہ ہو سکا" ۔ (تاریخ احمدیت جموں [illegible])

[1] بہائی مبلغین سے گفتگو کی تفاصیل الفضل ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۲ء میں شائع شدہ موجود ہیں۔ مولانا صاحب موصوف نے بہائی تحریک پر "تبصرہ" نامی کتاب کشمیر میں قیام کے دوران لکھی ہے۔

اہلِ ایمان کا پروگرام اور اسکے حصول کے ذرائع

(از جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب - ربوہ)

۱ - گھر پہ ہوتے ہوئے تمام نمازیں محلہ کی مسجد میں باجماعت پڑھی جائیں جبکہ بیماری وغیرہ نہ ہو۔

۲ - مغرب کی نماز کے بعد جلدی کھانا کھا لیا جائے اور عشاء کی نماز تک کا وقت گھر کے صحن میں چہل قدمی یا گھر والوں کے ساتھ ضروری گفتگو میں گزارا جائے۔

۳ - عشاء کی نماز ادا کر کے جلد سو جانا چاہیئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد غیر ضروری باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے دن کام کے لئے ہے اور رات آرام کے لئے۔ لہذا سوائے کسی ہنگامی کام کے یا ایسے ضروری کام کے جسے جلدی ختم کرنا لازمی ہو رات کو آرام کیا جائے۔ جو لوگ قوم کے سربراہ ہوتے ہیں خصوصاً وہ جو اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے انہیں دیانتداری سے ادا کرتے ہیں انہیں یقیناً رات کو بھی کام کرنا پڑتا ہے لیکن دوسروں کو اگر وہ دن کو اپنا وقت ضائع نہ کریں تو اس کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۴ - جلدی سونے سے نماز تہجد کے لئے خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔ نماز تہجد سب کامیابیوں کی کلید ہے۔ اس سے جہاں روحانی افضال کے دروازے کھلتے ہیں وہاں دنیوی کامرانیوں کے راز بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے دنیا میں نام پیدا کیا ہے وہ عموماً رات کے پچھلے پہر ہی اُٹھ کر سوچا کرتے اور تجاویز بنایا کرتے تھے

۵ - مسجد میں نماز فجر کے بعد درس میں شامل ہونا چاہیئے۔

۶ - بُری عادات سے بکلی اجتناب کیا جائے۔ یاد رہے کہ جب کسی بُری چیز کی عادت ہو جائے تو اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چائے اور تمبا کو وغیرہ کے استعمال سے کئی بدنی، ذہنی اور اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۷ - شروع سے ہی قوم کے بچوں کے ذہنوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ میں نے ایک انگریز فوجی افسر کی چٹھی پڑھی ہے جس میں اس نے لکھا تھا کہ عیسائی سپاہیوں کو گرجا میں جانے کی ترغیب دی جائے۔ اس کے بغیر وہ صحیح اخلاق سے آراستہ نہیں ہو سکتے اور نہ برائیوں سے بچ سکتے ہیں۔ دینی تعلیم کا مفید ہونا ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

۸ - تفسیر کبیر کا جس میں حضرت المصلح الموعودؓ نے برائیوں

سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کے عملی طریق بتائے ہیں روزانہ مطالعہ کیا جائے۔ اس کے پڑھنے اور قرآن مجید کے مطالب پر غور کرنے سے کلام اللہ سے ایسا عشق پیدا ہو جاتا ہے کہ روح وجد میں آجاتی ہے اور عمل صالح کرنے کیلئے بے پناہ جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

۹۔ دوسروں کے حقوق خود ان کے پاس جا کر ادا کرتے جائیں۔ صدقات کے بارہ میں تفسیر کبیر میں مفصل بحث ہے جسے ہماری جماعت کو ہر وقت مدنظر رکھنا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب صدقات کا مال آتا تھا آپ جب تک اسے تقسیم نہ کر لیتے تھے آپ کو چین نہ آتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ نے فرمایا ہے کہ رات کو کوئی شخص بھوکا نہ سوئے۔ اب جب تک ایک انتظام کے ماتحت روزانہ چیک نہ کیا جائے اس کا کس طرح پتہ لگ سکتا ہے۔

۱۰۔ دینی کتب کا مطالعہ مسلسل جاری رکھا جائے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ حدیث، حضرت مسیح موعودؑ اور خلفاء کرام کی کتب نیز دیگر دینی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ بعدہٗ ہلکا ناشتہ کیا جائے۔ پراٹھوں کا استعمال نہ کیا جائے۔

۱۱۔ جب تک مسلمان نورِ ایمان سے سرشار ہو کر عملی صالح عمل اور پیہم عمل سے کام نہیں لیں گے ان کی بگڑی کبھی نہیں بنے گی۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اس کے حضور دعاؤں کے ساتھ ساتھ کام کرتے کرتے اپنے آپکو فنا کر دیتے ہیں، تب جا کر انہیں بقا اور لقاءِ الٰہی کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

۱۲۔ قومی کاموں میں عمل پیہم اور یکجہتی بہت ضروری چیزیں ہیں۔ حضرت المصلح الموعودؓ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب تک قوم کا ہر فرد کام کرتے کرتے اپنے آپ کو فنا نہیں کر دیتا تب تک نہ قومی طور پر لقاءِ الٰہی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی قومی انقلاب پیدا کیا جا سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں کامیابی کا یہی راز ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی و الہام پاتے ہیں اُسے پہلے اپنے نفس پر وارد کرتے ہیں اور پھر عملی نمونہ بنتے ہیں۔

۱۳۔ دن بھر فرائضِ مفوضہ کو تندہی سے ادا کر کے عصر کی نماز کے بعد درس یا کسی دوسرے دینی کام مثلاً جلسہ وغیرہ میں شمولیت اختیار کی جائے۔ کھیلوں میں حصہ لیا جائے، یا سیر کی جائے اور بزرگوں و نیک لوگوں کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ نماز مغرب سے پھر یہی پروگرام شروع کر دیا جائے۔

اس سارے پروگرام کا مقصد وحید یہ ہے کہ وقت اور اصول کی پابندی کی جائے۔

ایک دواخانہ

جسے

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے ۱۹۱۱ء میں اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے شاگردوں کے لئے جاری کیا

اس دواخانہ کی ایک کڑی

حکیم نظام جان اینڈ سنز

کی شکل میں ساٹھ برس سے خدمتِ انسانیت میں بہتر سے بہتر طور پر مصروفِ عمل ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے شاگرد والد محترم حکیم نظام جان صاحب اس دواخانہ کی سرپرستی فرماتے رہے ہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی دُکھی مخلوق کی بہترین خدمت کی ہمیں توفیق بخشے

میسرز حکیم نظام جان اینڈ سنز گوجرانوالہ و ربوہ

روزنامہ

الفضل

الفضل ہمارا، آپ کا اور سب کا اخبار ہے

اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے اقتباسات، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ کے رُوح پرور خطبات، علماء سلسلہ کے اہم مضامین، بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کی تفاصیل اور اہم ملکی اور عالمی خبریں شائع ہوتی ہیں۔

آپ خود بھی یہ اخبار پڑھیں اور دوسروں کو بھی مطالعہ کے لئے دیں۔ اس کی توسیع اشاعت آپ کا جماعتی فرض ہے۔ (مینجر)

ہر قسم کا سامانِ سائنس

واجبی نرخوں پر خریدنے کے لئے

الائیڈ سائنٹیفک سٹور

گنپت روڈ لاہور

کو

یاد رکھیں

الفردوس

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دکان ھے

الفردوس

۸۵۔ انارکلی۔ لاہور

مفید اور مؤثر دوائیں

نور کا جل

ربوہ کا مشہور عالم تحفہ

آنکھوں کی صحت اور خوبصورتی کیلئے نہایت مفید

خارش، پانی بہنا، بھمنی، ناخنہ، ضعفِ بصارت وغیرہ امراضِ چشم کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ عرصہ ساٹھ سال سے استعمال میں ہے۔

خشک و تر قیمت فی شیشی سوا روپیہ

تریاقِ اٹھرا

اٹھرا کے علاج کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کی بہترین تجویز جو نہایت عمدہ اور اعلیٰ اجزاء کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

اٹھرا بچوں کا مردہ پیدا ہونا، پیدا ہونے کے بعد جلد فوت ہو جانا یا چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا یا لاغر ہونا ان تمام امراض کا بہترین علاج ہے۔

قیمت پندرہ روپے

خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ

گولبازار ربوہ۔ فون نمبر ۵۳۸

(طابع و ناشر: ابو العطاء جالندھری۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

شیزان
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
Peach Jam
HOT KETCHUP
Shezan
TOMATO KETCHUP
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند روڈ. لاہور

Monthly AL-FURQAN Rabwah

ماہنامہ "الفرقان" اور احباب کا فرض

● حضرت امامِ جماعتِ احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کا ارشاد :-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس ۳۰ چالیس ۴۰ ہزار بلکہ ایک لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔" (الفضل ۵ رجنوری ۱۹۵۶ء)

● حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدّنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے پس مخیّر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مُسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پُوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پُوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔ (خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۵۹-۷-۱۱)"

(الفضل ۱۰ رجولائی ۱۹۵۹ء)

مینجر الفرقان ربوہ